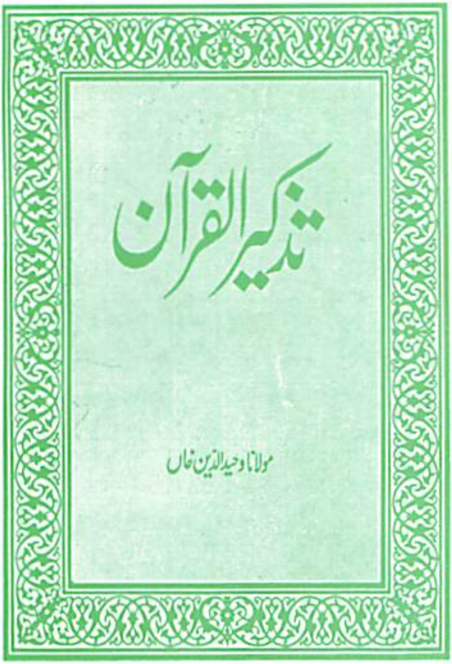
الرسالہ

Al-Risāla

May 2004 • No. 330 • Rs. 10

دوسرے کی برائی کا اعلان کرنے سے پہلے سوچ لیجئے کہ
کیا آپ اپنے دعوے کو حقائق کی عدالت میں بھی
درست ثابت کر سکتے ہیں۔

تذکیر القرآن



قرآن کی بے شمار تفسیریں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں۔ مگر تذکیر القرآن اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے۔ تذکیر القرآن میں قرآن کے اساسی مضمون اور اس کے بنیادی مقصد کو مرکز توجہ بنایا گیا ہے۔ جزئی مسائل اور معلوماتی تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے اس میں قرآن کے اصل پیغام کو کھولا گیا ہے اور عصری اسلوب میں اس کے دعوتی اور تذکیری پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تذکیر القرآن عوام وخواص دونوں کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔ وہ طالبینِ قرآن کے لیے فہمِ قرآن کی کنجی ہے۔

ہدیہ: ۴۰۰ روپئے (ہارڈ باؤنڈ)

۲۵۰ روپئے (پیپر بیک)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ
Al-Risala

اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع ہونے والا

اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی

مولانا وحید الدین خان

صدر اسلامی مرکز

Al-Risāla

1, Nizamuddin West Market, New Delhi-13
Tel. 2435 6666, 2435 5454
Fax: 2435 7333, 2435 7980
email: info@ goodwordbooks.com
website: www.alrisala.org

SUBSCRIPTION RATES

Single copy Rs. 10
One year Rs. 110. Two years Rs. 200
Three years Rs. 300. Five years Rs. 480
Abroad: One year $10/£6 (Air Mail)

DISTRIBUTED IN ENGLAND BY
IPCI: ISLAMIC VISION
434, Coventry Road, Birmingham B10 0JS
Tel. 0121-773 0137, Fax: 0121-766 8577
e-mail: info @ ipci-iv.co.uk

DISTRIBUTED IN USA BY
Al-RISALA FORUM INTERNATIONAL
2665 Byberry Rd.
Bensalem, PA 19020 (USA)
Tel/fax: 215-639-3584
e-mail:caleem@juno.com

Printed and published
by Saniyasnain Khan on behalf of
Al-Markazul Islami, New Delhi.
Printed at Nice Printing Press,
7/10, Parwana Road,
Khureji Khas, Delhi-110 051

فہرست

نئی کتاب



خدا کا کریشن پلان

خدا نے ایک دنیا بنائی، بے حد خوب صورت، ہر قسم کے کھلے مواقع، اور راحت کے ہر اعلیٰ سامان سے بھری ہوئی، خود خدا کے واحد استثناء کے بعد تمام موجودات میں سب سے بہتر چیز۔ قرآن کے مطابق، اس جنتی دنیا میں دو چیزیں وافر مقدار میں رکھ دی گئیں۔ ایک نعمت اور دوسرے آزادی (الدھر ۲۰) اس دنیا میں ایک طرف ہر قسم کی نعمتیں تھیں اور دوسری طرف کامل آزادی کا ماحول۔ خدا نے اس حسین دنیا کا نام جنت رکھا۔

اب خدا نے چاہا کہ وہ ایک مخلوق پیدا کرے جس کو اس حسین دنیا میں بسایا جا سکے، جو اس دنیا سے بھر پور طور پر متمتع ہو، جس سے خدا خوش ہو اور جو خدا سے خوش۔ (البینۃ ۸)

اس کے بعد خدا نے اپنے تخلیقی نقشہ کے مطابق، انسان کو پیدا کیا۔ یہ انسان جوڑے کی صورت میں تھا جس کو آدم اور حوا کہا جاتا ہے۔ خدا نے اپنے اس منصوبہ کا اعلان کرتے ہوئے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں (البقرہ ۳۰) خلیفہ کے معنٰی عربی زبان میں، جانشین یا قائم مقام کے ہیں۔ یعنی بعد کو آنے والا یا کسی کی جگہ لینے والا۔ اسی لیے صاحب جلالین نے قرآن کی آیت: انی جاعل فی الارض خلیفة کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے: خليفة يُخلفني في الارض (ایک خلیفہ جو زمین میں میری جگہ لے گا) اسی خلافت کو قرآن میں دوسرے مقام پر الأمانة (الاحزاب ۷۲) کہا گیا ہے۔ یہاں امانت سے مراد اختیارانہ اطاعت ہے۔

اصل یہ ہے کہ خدا ساری کائنات کا واحد بادشاہ ہے۔ زمین و آسمان میں بلا شرکت صرف اسی کا اقتدار قائم ہے۔ ستارے اور سیارے، سورج اور چاند، سمندر اور پہاڑ، حیوانات اور نباتات، غرض پورا عالم موجودات براہ راست طور پر خدا کی سلطنت کے تابع ہیں۔ ہر چیز ادنیٰ انحراف کے بغیر خدا کے زیر حکم ہے۔

اس عموم میں خدا نے صرف ایک جزئی استثناء رکھا اور وہ انسان کا استثناء تھا۔ خدا نے اپنی وسیع

سلطنت کا ایک بہت چھوٹا حصہ (زمین) کو انسان کے نام گویا الاٹ کر دیا۔ اور پھر خدا نے انسانی جوڑے سے کہا کہ تم میری اس دنیا میں آزادانہ طور پر رہو اور اس کی نعمتوں سے جس طرح چاہو فائدہ اٹھاؤ۔ تاہم خدا نے ایک درخت کے بارے میں یہ ہدایت کی کہ تم اس درخت سے دور رہنا۔

یہ درخت ایک علامتی درخت تھا۔ وہ اس بات کا ایک نشان تھا کہ انسان اگرچہ آزاد ہے مگر اس کی آزادی لامحدود آزادی نہیں ہے بلکہ وہ خدا کے بالاتر اقتدار کے ماتحت ہے۔ یہ آزادی خدا کے بالاتر اقتدار کے تحت ایک قسم کی محدود آزادی تھی۔ مگر انسان (آدم وحوا) اس ابتدائی امتحان میں پورے نہ اُترے۔ دونوں نے ممنوعہ درخت کا پھل کھالیا (الاعراف ۲۲) اس کے بعد خدا نے انسان کو جنت کی دنیا سے نکال کر موجودہ زمین میں بسادیا اور کہا کہ تم لوگ اس زمین پر قیام کرو اور یہاں اپنی نسل کو بڑھاؤ۔ یہاں تم خدا کی نگرانی میں رہوگے۔ پھر ایک وقت آئے گا جب کہ خدا تمہارے اوپر عدالت قائم کرے گا اور تم میں سے صالح لوگوں کو انعام دے گا اور برے لوگوں کو سزا دے گا۔

اس خدائی نقشہ کے مطابق، وہ وقت آنے والا ہے جب کہ انسان کو جنت میں دوبارہ داخلہ (re-entry) ملے۔ تخلیق کے پہلے نقشہ میں انسان کو پیدائشی طور پر (by birth) جنت میں داخلہ مل گیا تھا مگر انسان اپنے آپ کو اس کا مستحق ثابت نہ کرسکا۔ اس لیے خدا نے تخلیق کے دوسرے مرحلہ میں یہ اصول مقرر کیا کہ جنت میں داخلہ انتخابی بنیاد (selective basis) پر ہو۔ موجودہ دنیا میں انسان اپنے امتحانی مرحلہ میں ہے۔ جو لوگ یہاں اس امتحان کو کوالیفائی (qualify) کریں انھیں کو جنت میں داخلہ ملے گا اور جو لوگ اس امتحان میں پورے نہ اتریں ان کو رد کر کے اُنہیں کائنات کے کوڑے خانہ (dustbin) میں ڈال دیا جائے گا۔

موجودہ زمین پر انسان کو جو ٹسٹ دینا ہے اس کے دو بنیادی پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دنیا کی نعمتوں کا استفادہ اس طرح کرے کہ وہ نعمت کے استعمال کے ساتھ بھرپور طور پر منعم کا اعتراف کر رہا ہو۔ زمین پر رہتے ہوئے منعم کا کامل اعتراف کرنا یہی وہ صفت ہے جو کسی کو اس قابل بناتی ہے کہ اس کو جنت کی ابدی نعمتوں میں جینے کا حق دیا جائے۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ دنیا میں ملی ہوئی آزادی کو وہ

اس طرح استعمال کرے کہ پورا اختیار رکھتے ہوئے بھی وہ اس احساس میں جی رہا ہو کہ اصل اقتدار خدا کا ہے۔ خدا حاکم ہے اور میں محکوم۔ یہ خدا کی عنایت ہے کہ اس نے اپنی حاکمانہ حیثیت کے باوجود مجھے آزادانہ زندگی گزارنے کا موقع دے دیا۔ دنیا کے دار الامتحان میں یہی دو بنیادی پرچے ہیں۔ انہی دونوں پرچوں میں پاس ہونے یا فیل ہونے پر آدمی کی اخروی زندگی کا فیصلہ ہونا ہے۔ یعنی آزادانہ طور پر خود اپنے اختیار سے اپنے آپ کو خدا کا محکوم بنالینا۔

قرآن کے مطابق، جنت ان افراد کو ملے گی جو دنیا کی زندگی میں اپنے آپ کو نفس مزکّی (طٰہٰ ۷۶) ثابت کریں۔ یعنی پاک روح (purified soul)۔ موجودہ دنیا کا پورا ماحول اسی مقصد کے تحت بنایا گیا ہے۔ اس لیے یہاں آدمی کو کبد میں پیدا کیا گیا ہے (البلد ۴) اس مقصد کے لیے دنیا میں یہ ماحول قائم کیا گیا ہے کہ یہاں لوگوں کے درمیان انٹرسٹ کا ٹکراؤ (clash of interest) پیش آئے، حتٰی کہ باہمی عداوت کی نوبت آجائے (طٰہٰ ۱۲۳) اس لیے دنیا خدا کی آیات (signs) سے بھری ہوئی ہے تا کہ آدمی ان سے نصیحت لے سکے۔

فطرت کے اندر بے شمار خدائی راز چھپا دئے گئے ہیں تا کہ آدمی اپنی عقل کو استعمال کر کے ان رازوں کو دریافت کرے۔ اسی لیے دنیا میں حق کے داعی کو عام انسان کے روپ میں پیدا کیا گیا تا کہ لوگ تعصبات سے اوپر اٹھ کر اس کو پہچانیں اور اس کی اطاعت کریں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام ربانی حقائق کو یہاں غیب کے پردے میں چھپا دیا گیا ہے تا کہ انسان غور وفکر کے ذریعہ انہیں دریافت کرے۔ طرح طرح کے مادی انٹرسٹ رکھ دیے گیے ہیں تا کہ انسان وقتی انٹرسٹ سے بلند ہو کر اعلیٰ سطح پر جینے کا ثبوت دے سکے۔ اس لیے انسان کے اندر انا (ego) کا جذبہ رکھا گیا ہے تا کہ خدا یہ دیکھے کہ کون اپنی انا کا شکار ہو جاتا ہے اور کون انا کے خول سے باہر آ کر بلند تر حقیقتوں کا اعتراف کرتا ہے۔ اس مقصد کے تحت انسان کے اندر طرح طرح کی خواہشیں (desires) رکھی گئی ہیں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ کون خواہشوں کے جال میں پھنس جاتا ہے اور کون اس سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

اسی کے ساتھ خدا نے دنیا کی چیزوں کو اس طرح بنایا ہے کہ ہر چیز کے ساتھ ایک شبہہ کا

عنصر (element of doubt) لگا ہوا ہے۔ مثلاً حق کا داعی ہے تو وہ بھی انسان کے روپ میں ہے، نہ کہ فرشتہ کے روپ میں۔ دنیا میں نعمتیں ہیں تو اسی کے ساتھ مصیبتیں (sufferings) بھی ہیں۔ خدا اپنی تخلیقات میں نمایاں بھی ہے مگر اسی کے ساتھ اس کی ذات کامل طور پر مخفی بھی ہے۔ یہ بھی انسان کے امتحانی پرچے کا ایک جزء ہے کہ وہ شبہات کے پردے کو پھاڑ کر سچائی کو دیکھے۔ وہ ہر قسم کے ناخوشگوار پہلوؤں سے بخیر خوبی گزرتے ہوئے اپنا روحانی اور فکری سفر جاری رکھے۔

اس قسم کی تمام چیزیں انسان کے لیے شخصی ارتقاء (personality development) کے کورس کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور یہی وہ ارتقاء یافتہ شخصیت ہے جو اس قابل ہوگی کہ اس کو جنت کی لطیف ونفیس دنیا میں بسایا جائے۔

خدا کا یہی تخلیقی نقشہ ہے جس کو قرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ○ ثم رددناہ اسفل سافلین ○ الا الذین آمنوا و عملوا الصالحات فلهم اجرٌ غیر ممنون (التین ۴-۶)

ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔ پھر اُس کو سب سے نیچے پھینک دیا۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے تو اُن کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔

قرآن کی ان آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ انسان اپنی پیدائش کے اعتبار سے ایک اعلیٰ مخلوق ہے۔ وہ اُن تمام صفتوں کا حامل ہے جو اُس کو جنت میں آبادکاری کے مستحق بنائیں۔ مگر جنت میں داخلہ سے پہلے انسان کو موجودہ زمین میں عارضی طور پر بسایا گیا۔ یہاں ہر قسم کے امتحانی اسباب رکھے گئے۔ یہ اسباب اُس کو قدم قدم پر جنت سے دور کرنے والے ہیں۔ ان اسباب کو پہچاننا اور ان اسباب کا شکار ہوئے بغیر اپنی زندگی کا سفر کامیابی کے ساتھ جاری رکھنا، یہی وہ شرط ہے جو انسان کو اس کی مطلوب دنیا (جنت) میں اس کو پہنچانے والی ہے۔ یہی جنتی دنیا احسن تقویم کا اصل جائے مقام ہے۔ جو لوگ زمینی زندگی میں اس کا استحقاق ثابت نہ کر سکیں وہ پیدائشی طور پر احسن تقویم ہوتے ہوئے اسفل السافلین میں جا گرے۔

اس معاملہ کی مزید وضاحت قرآن کی کچھ آیات سے ہوتی ہے۔ ان آیتوں کا ترجمہ یہ ہے:

اور ہم ضرور تم کو آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور ثمرات کی کمی سے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دے دو جن کا حال یہ ہے کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے اوپر اُن کے رب کی شاباشیاں ہیں اور رحمت ہے۔ اور یہی لوگ ہیں جو راہ پر ہیں۔ (البقرہ ۱۵۵۔۱۵۷)

قرآن کے اس بیان میں زندگی کی ایک اہم حقیقت کو بتایا گیا ہے۔ وہ یہ کہ خدا نے اس دنیا کو انسان کے لیے آرام گاہ کے طور پر نہیں بنایا ہے بلکہ اُس کو امتحان گاہ کے طور پر بنایا ہے۔ اس تخلیقی نقشہ کی بنا پر اس دنیا کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ یہاں بار بار انسان کے ساتھ جانچنے والے حالات پیش آئیں۔ یہاں بار بار ایسے ناموافق تجربات گزریں جو انسان کے ذہن کو شاک دینے والے ہوں۔ انسان کے ذہن میں مختلف قسم کے شبہات ڈال کر یہ دیکھا جائے کہ وہ شبہہ کا شکار ہو گیا یا اُس سے اپنے آپ کو بچانے میں کامیابی حاصل کی۔ اسی امتحانی مصلحت کی بنا پر زمین پر زلزلے آتے ہیں۔ تاکہ انسان کے یقین کو جانچیں۔ یہاں طرح طرح کی مصیبتیں (sufferings) پیش آتی ہیں تاکہ یہ دیکھا جائے کہ انسان ان کی توجیہہ کرنے میں اپنے عقل کو صحیح طور پر استعمال کر سکا یا وہ اس میں ناکام رہا۔ اسی امتحانی مصلحت کی بنا پر یہاں ایسے ناخوشگوار حالات پیش آتے ہیں جو آدمی کے سینہ میں منفی جذبات کا طوفان برپا کریں۔ اس طرح خدا یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون منفی جذبات کے سیلاب میں بہہ گیا اور کون اپنے آپ کو اس سے بچانے میں کامیاب رہا۔

اس امتحان میں کامیاب ہونے کے لیے سب سے اہم شرط صبر ہے۔ یہاں صبر کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے ساتھ جو بھی خوشگوار یا ناخوشگوار تجربات گذریں اُن کو وہ خدا کے تخلیقی نقشہ کا نتیجہ قرار دے۔ ہر تجربہ کا استقبال وہ اس طرح کرے کہ یہ صرف میری جانچ کے لیے ہے۔ میری ساری کوشش یہ ہونا چاہیے کہ میں اس جانچ میں پورا اتروں۔ زندگی کے تجربہ کو وہ خدائی امتحان کا پرچہ سمجھ کر لے اور

اسی اعتبار سے وہ اس میں پورا اُترنے کی کوشش کرے۔

قرآن کے مطابق، دنیا کی مادّی ترقی کسی کو ملتی ہے تو وہ اُس کو نعمت کے طور پر نہیں ملتی بلکہ وہ صرف اس لیے ہوتی ہے کہ اُس کے ذریعہ آدمی کو جانچا جائے (الکہف ۷) اسی طرح جب کسی کو سیاسی اقتدار ملے تو وہ بھی اُس کو انعام کے طور پر نہیں ملتا بلکہ وہ اُس کے لیے صرف اس بات کی آزمائش ہوتی ہے کہ وہ اقتدار پا کر سرکش بنتا ہے یا وہ خدا کی وفاداری پر قائم رہتا ہے (النمل ۴۰) اسی طرح دنیا کی ہر چیز خواہ وہ خوش گوار ہو یا ناخوشگوار، ہر حال میں وہ امتحان کا ایک پرچہ ہوتی ہے۔ اس دنیا میں ہر تجربہ جو انسان پر گذرتا ہے وہ صرف اس لیے ہوتا ہے کہ آدمی کے جنّتی یا غیر جنّتی ہونے کا فیصلہ کرے۔

موجودہ دنیا کی فلسفیانہ توجیہہ کا بنیادی نکتہ یہی ہے۔ موجودہ دنیا کو خدا کے تخلیقی نقشہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو اُس کا ہر جزء اپنی فکری توجیہہ پالیتا ہے۔ اور اگر اس تخلیقی نقشہ کو سامنے رکھے بغیر دنیا کی توجیہہ کرنے کی کوشش کی جائے تو یقینی طور پر ایسی کوشش ناکام رہے گی۔ خدا کے تخلیقی نقشہ کی روشنی میں دنیا کو سمجھنا آدمی کو یقین کی طرف لے جاتا ہے۔ جو لوگ اس تخلیقی نقشہ کو رہنما بنائے بغیر دنیا کی توجیہہ کرنا چاہیں وہ صرف ذہنی انتشار (confusions) کا شکار رہیں گے، وہ اپنی تلاش کا اطمینان بخش جواب کبھی نہ پاسکیں گے۔

ناگپور میں مولانا وحید الدین خاں کی عصری اسلوب میں فکر انگیز اسلامی کتابیں اور ماہنامہ الرسالہ حسب ذیل پتہ پر دستیاب ہیں:

Think Book Shop
Haidry Road, Mominpura
Nagpur-440 018

مطالعۂ حدیث

حدیث کا مطالعہ، بالواسطہ طور پر، قرآن کا مطالعہ ہے۔ قرآن اور حدیث میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو۔ ایک حدیث کے بارہ میں جب اصولی طور پر یہ ثابت ہوجائے کہ وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے تو شرعی اعتبار سے اُس کا استناد ویسا ہی ہوجاتا ہے جیسا کہ خود قرآن کا استناد۔

جہاں تک مضامین کا تعلق ہے، قرآن میں دین کی اساسی تعلیمات کا بیان ہے اور حدیث میں دین کی تفصیلی تعلیمات کا بیان۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی اصولی تعلیمات حدیث کے متن ہی سے تفصیلی طور پر سمجھ میں آتی ہیں۔ حدیث کی مدد کے بغیر قرآن کا سمجھنا ممکن ہی نہیں۔

حدیث کا ذخیرہ، وسیع تر تقسیم کے اعتبار سے، دو قسم کے مضامین پر مشتمل ہے۔ ایک، روح اسلام اور دوسرے وہ چیز جس کو شرائع کہا جاتا ہے۔ زیر نظر مجموعہ میں زیادہ تر پہلی قسم کی احادیث کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

عربی زبان میں کثرت سے حدیث کی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ یہ شرحیں زیادہ تر فنی پہلوؤں کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہیں۔ مثلاً نحوی مسائل، اسناد کی بحث، حدیثوں میں تعارض کا مسئلہ، مختلف فقہی مسالک سے احادیث کی مطابقت، وغیرہ۔

زیر نظر مجموعہ میں حدیث کی تشریح کا یہ فنی انداز اختیار نہیں کیا گیا ہے۔ ہم نے صرف یہ کوشش کی ہے کہ حدیث میں نصیحت اور سبق کا جو پہلو ہے اُس کو نمایاں کیا جائے۔

احادیث کو سمجھنے کے سلسلہ میں چند اصول کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ ان اصولوں کو اگر سامنے رکھ کر حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو وہ اشکالات پیدا نہیں ہوں گے جو کچھ لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں، حتیٰ کہ وہ حدیث کی اہمیت ہی کے بارہ میں مشتبہ ہوجاتے ہیں۔

۱۔ اس سلسلہ میں ایک چیز یہ ہے کہ حدیث میں بعض اوقات کسی حکم کو عمومی انداز میں بیان کیا

جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اُس کو مطلق مفہوم میں لے لیتے ہیں۔ حالاں کہ کوئی بات اگر بظاہر مطلق انداز میں بیان کی جائے تب بھی وہ مطلق طور پر مطلوب نہیں ہوتی۔ اکثر حالات میں اُس کا مقصد صرف تاکید ہوتا ہے۔ مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ: **المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده** (مسلم وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں)۔

اس حدیث میں بیک وقت دو قسم کا حصر موجود ہے۔ ایک یہ کہ حدیث کے الفاظ کے مطابق، اس میں مسلم کی تعریف اس طرح کی گئی ہے جس میں ایمان وعبادات، وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں۔ اور دوسرے یہ کہ اس میں المسلمون ہے، نہ کہ الناس۔ مگر یہ دونوں باتیں اضافی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان اور عبادات کا تذکرہ نہ ہونے کے باوجود وہ یہاں معہود ذہنی کے طور پر موجود ہے۔ اسی طرح المسلمون کے باوجود الناس بھی اُس میں تبعاً شریک ہیں۔

۲۔ احادیث میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو حقیقۃً تمثیل کی زبان میں ہیں۔ مگر لوگ اُس کو لفظی طور پر لے لیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اشکال کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ: **انما الحر من فیح جهنم** (گرمی جہنم کی پھونک سے ہے)۔ یہ جہنم کی گرمی کی شدت کو بتانے کے لیے ایک تمثیل ہے۔ اُس کو لفظی مفہوم میں لینا صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح عذاب قبر کے بارہ میں جو حدیثیں آئی ہیں وہ بھی تمثیل کی زبان میں ہیں، نہ کہ حقیقت کی زبان میں۔

۳۔ اسی طرح حدیث کو سمجھنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ کسی ایک حدیث کو لے کر رائے قائم نہ کی جائے بلکہ مختلف حدیثوں کا مجموعی مطالعہ کرنے کے بعد رائے بنائی جائے۔ مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ **افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر**۔ اگر کوئی شخص اس حدیث کو لے کر یہ کرے کہ جہاں کہیں اُس کو کوئی بات حق اور عدل کے خلاف دکھائی دے وہاں وہ فوراً اُس کے رد میں تقریر کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے تو یہ حدیث کی تعمیل نہ ہوگی۔ کیوں کہ ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ: **من صمت نجا**۔ دونوں حدیثوں کو ملا کر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کہیں بولنا مطلوب ہوتا ہے تو کہیں یہ مطلوب ہوتا ہے کہ آدمی خاموشی اختیار کرلے۔

۴۔ کبھی کسی حدیث میں ایک بات حکم جیسے الفاظ میں آتی ہے۔ حالاں کہ اُس سے صرف زجروتوبیخ مقصود ہوتی ہے۔ مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ جو لوگ جماعت کی نماز ترک کرتے ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ میں اُن کے گھروں میں آگ لگادوں۔ یہ الفاظ زجروتوبیخ کے لیے ہیں، اُن کو لفظی معنوں میں لینا درست نہیں۔

۵۔ احادیث کے مطالعہ کے دوران یہ مسئلہ سامنے آتا ہے کہ بہت سے مسائل میں احادیث کے درمیان اختلاف ہے۔ مثلاً نماز کے طریقوں کے بارہ میں۔ ان اختلافی احادیث کی بنیاد پر کافی بحثیں جاری رہی ہیں۔ کوئی ایک روایت کو افضل قرار دیتا ہے اور دوسری کو غیر افضل، کوئی ایک روایت کوراجح قرار دیتا ہے اور دوسری روایت کو مرجوح۔ راقم الحروف کے نزدیک اس مسئلہ کا زیادہ بہتر حل وہ ہے جس کو ابن عبدالبر نے اپنی کتاب **بیان فضائل العلم و أهله** میں بیان کیا ہے۔

اس کے مطابق، ان اختلافات کا فکری حل یہ ہے کہ اُن کو تنوع اور توسع پر محمول کیا جائے۔ یعنی ایک اور دوسرے کے درمیان ترجیح تلاش کرنے کے بجائے دونوں ہی کو یکساں طور پر درست مان لیا جائے۔ یعنی یہ کرو تب بھی ٹھیک ہے اور وہ کرو تب بھی ٹھیک۔ ان اختلافات کو تنوع کا مظہر قرار دینے کی صورت میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اختلاف بحث و گفتگو کا موضوع نہیں رہتا۔ اور ذہن زیادہ اہم مفاہیم پر مرتکز ہو جاتا ہے۔

۶۔ حدیث کے مطالعہ میں عام طور پر علماء کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ سند کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اُصولی طور پر یہ بات درست ہے مگر کسی بھی چیز میں غلو نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ میرے نزدیک زیادہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ جب کسی حدیث کی بنیاد پر کوئی حکم یا حجت قائم کرنا ہو تو اُس وقت سختی کے ساتھ سند کو اہمیت دینا چاہئے۔ لیکن جب کوئی ایسی حدیث سامنے آئے جو اپنے مفہوم کے اعتبار سے قرآن سے متعارض نہ ہو اور اُس سے نصیحت اور تذکیر حاصل ہوتی ہو تو ایسی حدیث کو قبول کرنے میں میرے نزدیک کوئی حرج نہیں۔

۷۔ تاہم فضائل کی روایات کے بارہ میں میرا نقطۂ نظر کسی قدر مختلف ہے۔ فضائل کی

روایتیں زیادہ تر یا تو ضعیف ہیں یا موضوع۔ ان روایتوں کی ایک مشترک خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ظواہر اعمال کے فضائل پر ہوتی ہیں۔ مثلاً فضائل کی روایتوں میں فضائل تلاوت تو ملے گی مگر فضائل تدبر نہیں ملے گا۔ اسی طرح اُن میں فضائل عبادت تو ہوگا مگر فضائلِ خشوع نہیں ہوگا۔ اُن میں فضائل قربانی تو ہوگا مگر فضائل تقویٰ نہیں ہوگا۔ اس بنا پر فضائل کی روایتوں سے یہ ذہن بنتا ہے کہ ظواہر اعمال ہی کا نام عبادت ہے۔ حالاں کہ اصل عبادت وہ ہے جو داخلی اسپرٹ سے تعلق رکھتی ہے، جس کو قرآن میں خشوع، خضوع، اخبات، تقویٰ، وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۸۔ کوئی حدیث بظاہر ایک مخصوص معنی میں ہوتی ہے۔ اگر اس حدیث کو لفظی طور پر لیا جائے تو وہ ایک خاص حکم تک محدود ہو کر رہ جائے گی۔ حالانکہ پیغمبر اسلام کی نبوت جب عالمی ہے تو آپ کے کلام میں بھی عالمی پہلو ہونا چاہئے۔ اس بنا پر ضروری ہے کہ کسی حدیث کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کو وسیع تر سیاق (broader context) میں رکھ کر دیکھا جائے۔

مثال کے طور پر روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **كُلُّ مولودٍ يُولَدُ علىٰ الفطرة فابواه يهودانه و ينصرانه ويمجسانه** (ہر پیدا ہونے والا فطرتِ صحیح پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنا دیتے ہیں اور اس کو نصرانی بنا دیتے ہیں اور اس کو مجوسی بنا دیتے ہیں)۔

اس حدیث میں بظاہر تین مذہبی الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مگر وسیع تر پہلو سے دیکھا جائے تو یہ حدیث ایک نہایت اہم حقیقت کو بتاتی ہے۔ وہ یہ کہ ہر آدمی جب پیدا ہوتا ہے تو وہ ایک بچہ ہوتا ہے جس کے اندر خود صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ بچپن اور نوجوانی کی پوری عمر وہ اسی ناپختہ ذہن کے ساتھ کسی ماحول میں گزارتا ہے۔ یہ ماحول مسلسل طور پر اس کے ذہن کی کنڈیشننگ (conditioning) کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مکمل طور پر ایک کنڈیشنڈ انسان بن جاتا ہے۔ ذہن کی کنڈیشننگ کا یہ معاملہ ہر ایک کے ساتھ پیش آتا ہے، کسی بھی مرد یا عورت کا اس میں کوئی استثناء نہیں۔

ایسی حالت میں ہر انسان کی یہ ایک لازمی ضرورت ہے کہ پختہ عمر کو پہنچنے کے بعد وہ اپنے ذہن کی ڈی کنڈیشننگ (de-conditioning) کرے۔ وہ اپنے ذہن کے اوپر چڑھی ہوئی مصنوعی تہوں کو ہٹائے تاکہ وہ حقیقتوں کو اس فطری ذہن کے ساتھ دیکھے اور سمجھے جو خالق حقیقی کی طرف سے اس کو پیدائشی طور پر دیا گیا ہے۔ ڈی کنڈیشننگ کا یہ عمل ہر ایک کو کرنا ہے۔ اس عمل کے بغیر کوئی بھی شخص صحیح الفکر (right thinker) نہیں بن سکتا۔

ڈی کنڈیشننگ کا یہ عمل بے حد سنجیدہ عمل ہے۔ اس میں ہر مرد اور عورت کو خود اپنے ذہن کی سرجری کرنی پڑتی ہے۔ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ان خیالات کو نکالنا پڑتا ہے جو ماحول کے اثر سے اس کے اندر داخل ہو گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ناپختہ عمر میں ہونے والی یہ کنڈیشننگ ہر آدمی کے ذہن کو افکار کا ایک جنگل بنا دیتی ہے۔ اس فکری جنگل کو صاف کرنے کا نام ڈی کنڈیشننگ ہے۔ یہ تطہیر صرف اسی وقت ممکن ہوتی ہے جب کہ آدمی بے رحمانہ طور پر اپنے ذہن کا فکری آپریشن کرنے کے لیے تیار ہو۔

۹۔ حدیثوں کے مطالعہ میں ایک مزاج یہ بن گیا ہے کہ ان سے بس جزئی مسائل اخذ کئے جاتے ہیں۔ کلی مسائل پر ان کو چسپاں نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ اس قسم کا ذہن حدیث کی معنویت کو گھٹانے کے ہم معنی ہے۔ اس ذہن کا یہ نتیجہ ہوا کہ لوگوں نے جزئی مسائل میں تو حدیث سے رہنمائی حاصل کی مگر وہ زیادہ اہم مسائل میں حدیث سے رہنمائی حاصل نہ کر سکے۔

مثلاً ایک حدیث ان الفاظ میں آئی ہے: من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه (آدمی کے اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ ایسے کام کو چھوڑ دے جس میں کوئی فائدہ نہیں)۔ اس حدیث سے عام طور پر صرف کچھ چھوٹے چھوٹے مسئلے نکالے جاتے ہیں۔ مثلاً کسی دینی مجلس میں بیٹھ کر ایک آدمی کسی تنکے سے کھیلے تو کہا جائے گا کہ یہ ایک بے فائدہ کام ہے، اس کو نہ کرو۔ مگر اس قسم کی تشریح اصل حدیث کی تصغیر کے ہم معنی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث سے زندگی کے تمام معاملات کے لیے ایک نہایت اہم رہنمائی حاصل

ہوتی ہے۔ اس حدیث سے یہ جامع اصول ملتا ہے کہ ہمارا اقدام ہمیشہ نتیجہ رخی (result oriented) ہونا چاہئے۔ کوئی ملی منصوبہ بنایا جائے تو سب سے پہلے یہ غور کیا جائے کہ یہ منصوبہ نتیجہ کے اعتبار سے مفید ہوگا یا نہیں۔ کسی سے شکایت ہو جائے اور اس کے خلاف لڑائی چھیڑنا ہو تو یہ اندازہ کیا جائے کہ لڑائی کا کوئی مثبت نتیجہ نکلے گیا یا نہیں۔ کسی مقام پر کوئی سیاسی پروگرام بنایا جائے تو پیشگی طور پر اچھی طرح جائزہ لیا جائے کہ یہ پروگرام برعکس نتیجہ کا سبب تو نہیں بن جائے گا، وغیرہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی اقدام کا بے نتیجہ ثابت ہونا کوئی سادہ بات نہیں۔ اس کی زد آدمی کے ایمان واسلام تک جاتی ہے۔ سچا ایمان آدمی کے اندر گہری سنجیدگی پیدا کرتا ہے۔ سچا اسلام آدمی کو آخری حد تک محتاط بنا دیتا ہے۔ ایسی حالت میں یہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ ایمان واسلام والا آدمی ایسا اقدام کرے جو نتیجہ کے اعتبار سے الٹا (counter productive) ثابت ہونے والا ہو۔

۱۰۔ جیسا کہ معلوم ہے حدیث کی تدوین عباسی خلافت کے دور میں ہوئی۔ اسی زمانہ میں فقہ کی تدوین بھی ہو رہی تھی۔ اس بنا پر ایسا ہوا کہ حدیث کا مطالعہ فقہ کی روشنی میں کیا جانے لگا۔ یہ سلسلہ کئی سو سال تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ حدیث کے مطالعہ کا ایک معلوم فریم ورک بن گیا اور وہ فقہی فریم ورک تھا۔ مزید یہ کہ مختلف اسباب سے خود فقہ کا مطالعہ زیادہ تر جزئی مسائل یا جزئیات شریعت تک محدود ہو گیا۔

اس کا اثر حدیث کے مطالعہ پر بھی پڑا۔ اس کی مثالیں حدیث کی شرحوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ بعد کے زمانہ میں جتنی بھی شرحیں لکھی گئیں تقریباً ہر ایک میں شرح کا وہ انداز غالب آ گیا جس میں صرف دو چیزیں شارح کی توجہ کا مرکز بنی رہیں —— حدیث کی فنی حیثیت پر بحث، یا اس کے فقہی پہلوؤں کی وضاحت جن کا تعلق زیادہ تر شریعت کے وقتی یا جزئی پہلوؤں سے تھا۔ حدیث کے اس رواجی طرز مطالعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ حدیث کی آفاقی معنویت گم ہو گئی۔ حدیث میں ابدی رہنمائی کا جو پہلو تھا وہ امت کی نگاہوں سے اوجھل ہو کر رہ گیا۔ اس معاملہ کی مثالیں بعد کے زمانہ میں لکھی جانے والی کتابوں میں بھری ہوئی ہیں۔ یہاں میں اس کی وضاحت کے لیے ایک تازہ مثال درج کرتا ہوں۔

سویڈن شمالی یورپ کا ایک ملک ہے۔ یہاں کا موسم ہمیشہ غیر معتدل رہتا ہے۔ کبھی رات بہت چھوٹی اور دن بہت لمبا اور کبھی دن بہت چھوٹا اور رات بہت لمبی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دن اور رات میں بہت زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ سویڈن میں کافی مسلمان آکر آباد ہو گئے ہیں۔ ان کے سامنے یہ سوال ہے کہ یہاں کے علاقہ میں پانچ وقت کی نماز کس طرح پڑھی جائے۔ تقلیدی علماء کا اصرار ہے کہ یہاں بھی اسی طرح سورج کے اعتبار سے نماز ادا کی جائے گی جس طرح دنیا کے دوسرے علاقوں میں کی جاتی ہے۔ مگر سویڈن میں مقیم مسلمانوں کے لیے یہ بے حد دشوار گذار ہے، بلکہ تقریباً ناقابل عمل ہے۔ سویڈن کی راجدھانی اسٹاک ہام میں عربوں کے تعاون سے ایک بہت بڑا اسلامک سنٹر اور مسجد کی تعمیر کی گئی ہے۔ جون ۲۰۰۳ میں یہاں مسلمانوں کا ایک بڑا جلسہ ہوا۔ اس میں عرب کے ایک عالم دکتور یوسف القرضاوی مہمان خصوصی کے طور پر بلائے گئے۔

عرب عالم کے سامنے نماز کے اوقات کا مسئلہ پیش کیا گیا۔ انہوں نے اس کا حل یہ بتایا کہ آپ لوگ ایسا کریں کہ معتدل علاقوں کا اعتبار کرتے ہوئے گھڑی کے لحاظ سے نماز کے اوقات مقرر کر لیں۔ یعنی سورج کا اعتبار نہ کر کے گھڑی کا اعتبار کرنا۔ اپنے اس فتویٰ کی تائید میں انہوں نے ایک حدیث پیش کی۔

صحیح البخاری میں حضرت عائشہ کی ایک روایت ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب بھی آپ کو دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوتا تو آپ ہمیشہ مشکل انتخاب (harder option) کو چھوڑ دیتے اور آسان انتخاب (easier option) کو لے لیتے (ما خیر رسول اللہ ﷺ بین امرین الا اختار ایسرھما)۔ انہوں نے کہا کہ سویڈن کے حالات میں سورج کا اعتبار کر کے نماز کے اوقات مقرر کرنا مشکل ہے۔ اس کے برعکس گھڑی کا اعتبار کر کے اوقات کو مقرر کرنا آسان ہے اس لیے حدیث کے مطابق آپ کو یہ کرنا چاہئے کہ گھڑی کا اعتبار کر کے نماز کے اوقات مقرر کریں۔ اس اصول کو انہوں نے تیسیر الفتویٰ کا نام دیا۔ یعنی فتویٰ میں آسانی کا طریقہ اختیار کرنا۔

عرب عالم کا یہ فتویٰ بلا شبہہ درست ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ دکتور یوسف القرضاوی (اور دوسرے علماء) اس شرعی اصول کو فلسطین اور دوسرے مقامات پر ہونے والے متشددانہ جہاد پر منطبق نہ کر سکے۔ اس دوسرے معاملہ میں ان علماء نے تقریباً متفقہ طور پر یہ فتویٰ دیا کہ موجودہ مسلح جہاد عین اسلامی جہاد ہے۔ اور اس میں مرنے والے لوگ شہید کا درجہ پا رہے ہیں۔ حتی کہ خودکش بمباری (suicide bombing) کو بھی انہوں نے اسلامی جہاد بتایا، حالانکہ صحیح البخاری کی مذکورہ روایت کی روشنی میں تیسیر الفتویٰ کا جو اصول انہوں نے وضع کیا ہے اس کی روشنی میں اگر وہ ان جہادی سرگرمیوں کو دیکھتے تو ان کا فتویٰ بالکل مختلف ہوتا۔ اب وہ کہتے کہ ان مجاہدین کے لیے دو میں سے ایک کے انتخاب (choice) کا معاملہ ہے۔ یعنی پر امن طریق کار (peaceful method) اور متشددانہ طریق کار (violent method)۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ عمومی پالیسی کے مطابق موجودہ مسلمانوں کو یہ کرنا چاہیے کہ وہ آسان طریق کار کو اختیار کریں۔ یعنی متشددانہ طریق کار کو چھوڑ دینا اور پر امن طریق کار پر کاربند ہو جانا۔ مگر رواجی فقہی فریم ورک کی بنا پر وہ ایسا نہ کر سکے۔

حدیث اور سنت میں موجودہ زمانہ کے لیے نہایت کامیاب رہنمائی موجود تھی۔ مگر ہمارے علماء کا ذہن رواجی فقہی فریم ورک میں اٹکا رہا۔ اس کا یہ ناقابل تلافی نقصان ہوا کہ وہ حدیث کی آفاقی معنویت کو دریافت نہ کر سکے، وہ امت کو جدید حالات کے لحاظ سے صحیح شرعی رہنمائی دینے میں ناکام رہے۔

مذکورہ محدود ذہنی نقشہ کی بنا پر ایسا ہوا کہ ان علماء نے نماز کے طریقہ کو متعین کرنے کے بارے میں تیسیر الفتویٰ کے اصول کو اختیار کیا، مگر جہاد کے طریقہ کو متعین کرنے کے بارہ میں، برعکس طور پر، تعسیر الفتویٰ کا اصول۔ اس فرق کے نتیجہ میں امت مسلمہ کو موجودہ زمانہ میں جو نقصانات پہنچے وہ اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔

سوال

۱۹۹۵ میں قاہرہ کی ایک ایسی مجلس میں، جس میں کچھ لوگوں کو پہلے فیصل ایوارڈ مل چکا تھا، بولنے کا موقع دیا گیا تھا، ان میں سے ایک علی عزت بیگووچ، بوسنیا کے صدر بھی تھے۔ انہوں نے اپنے مقالے میں۔ جو چھاپا نہیں گیا۔ آخر میں ایک بات کہی تھی کہ میرے ذہن میں چار سوال ہیں، اور میں چاہتا ہوں کہ جو ان سوالوں کا تسلی بخش جواب دے، اس کو ''خدمت اسلام'' کا ''فیصل ایوارڈ'' ملے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ ہماری امت جس کو اللہ نے مخاطب کیا تو اس کا پہلا لفظ تھا اقرأ۔ آج ساڑھے چودہ سو سال گزر جانے کے بعد اس کی پچاس فیصد سے زیادہ تعداد پڑھنے سے قاصر کیوں ہے۔ ہم دنیا میں سب سے جاہل کیوں ہیں جب کہ ہم سے پہلی وحی میں کہا گیا تھا کہ ''پڑھ''۔ دوسری بات یہ کہ اسلام میں وقت کی پابندی پر بڑا زور ہے۔ نماز کا وقت مقرر، حج کی تاریخ مقرر، روزے کا مہینہ مقرر، زکوٰۃ سال گزر جانے پر، ہر چیز کا وقت مقرر ہے لیکن دنیا میں سب سے زیادہ کم، وقت کی پابندی ہم کرتے ہیں۔ آج تک مجھے نہیں معلوم کہ مسلمانوں کا کوئی جلسہ وقت پر شروع ہوا ہو۔ تیسری بات انہوں نے یہ کہی کہ طہارت، اس دین میں بہت اہم ہے۔ اس کی نماز، اس کا روزہ، اس کی ہر عبادت میں پاکیزگی اور صفائی ستھرائی پر زور ہے، مگر دنیا کے کسی بھی مسلم محلے میں جائیے، ایشیا کے کسی ملک میں، افریقہ میں، مغربی ممالک میں مسلمان آبادیوں میں کہیں بھی چلے جائیے۔ سب سے گندے، مسلمانوں کے محلے ہیں۔ کاغذ کہیں بھی پھینک دیں گے، چھلکا کہیں بھی ڈال دیں گے۔'' اور آخری چیز انہوں نے یہ کہی کہ ''وہ امت جو کلمۂ توحید پر قائم ہے اور ایک خدا کے تصور کو، ساری انسانیت کو ایک لڑی میں پرونے والی چیز سمجھتی ہے۔ یہ کیا بات ہے کہ یہ امت دن بہ دن مزید گروہوں میں بٹتی جا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ کہیں بھی چلے جائیے، وقت گزرنے کے ساتھ گروہ بڑھتے جا رہے ہیں۔ حلقے بڑھتے جا رہے ہیں۔ ایک جماعت سے دو جماعت، دو سے چار جماعتیں، ایک حلقے سے دو حلقے بنتے جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ چار سوال مجھے بہت پریشان کرتے ہیں۔ یہ ناخواندگی، یہ وقت کی عدم پابندی، یہ عدم صفائی، یہ انتشار، یہ کہاں سے اس قوم میں آ گئے (ماہنامہ زندگی نو، جون ۲۰۰۳، صفحہ ۳۰)۔ ماہنامہ الرسالہ کے

ایک قاری نے یہ اقتباس بھیج کر گذارش کی ہے کہ اس کا جواب الرسالہ کے صفحات میں دیا جائے۔

جواب

اصل یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کی مسلم نسلوں کا کیس وہ ہے جس کو قرآن میں طول امد کے بعد قسادت کا آجانا (الحدید ۱۶) کہا گیا ہے۔ موجودہ زمانہ کے مسلمان اپنے زوال (de-generation) کی آخری حد پر ہیں، اور مذکورہ چاروں خرابیاں اسی زوال کے مظاہر ہیں۔ اقبال اپنے ابتدائی زمانہ میں اس حقیقت سے بے خبر تھے۔ اس لیے انہوں نے موجودہ مسلمانوں کے بارہ میں یہ شعر کہا:

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

مگر بعد کو اقبال نے دیکھا کہ اس مٹی کو نہ صرف نم کیا گیا بلکہ اُس کو پانی سے جَل تھَل کر دیا گیا۔ اس سیرابی کے عمل میں اقبال سمیت بہت سے علماء اور مفکرین شامل ہیں۔ مگر ساری کوششوں کے باوجود امت کے اندر مطلوب بیداری نہ آسکی۔ چنانچہ بعد کے دور میں اقبال کو یہ کہنا پڑا:

تیرے محیط میں کہیں جو ہر زندگی نہیں   ڈھونڈھ چکا میں موج موج دیکھ چکا صدف صدف

عزت بیگووچ نے بوسنیا میں آزاد مسلم اسٹیٹ قائم کرنے کا اقدام کیا جو بوسنیا کے مسلمانوں کو تباہی کے سوا کچھ اور نہ دے سکا۔ اقبال نے پاکستان کے نام سے علیحدہ اسلامی ملک بنانا چاہا مگر یہ تجربہ مکمل طور پر ناکام رہا۔ اسی طرح بیسویں صدی میں تقریباً ہر مسلم رہنما نے کسی نہ کسی خوش نما اقدام سے اپنے عمل کا آغاز کیا اور ہر ایک کا اقدام بے نتیجہ ثابت ہوا۔

قرآن کے مطابق، صحیح طریقہ یہ ہے کہ جب کسی قوم پر زوال آجائے تو اُس کے اندر اسلامی عمل کا آغاز تزکیہ اور تربیت سے ہوگا، نہ کہ اقدام سے (الحدید ۱۷)۔ پہلے خاموش اور پُر امن فکری عمل کے ذریعہ قوم بنائی جائے گی اور اُس کے بعد عملی اقدام کیا جائے گا، ٹھیک اُسی طرح جیسے کوئی زمین بنجر ہو تو کسان اپنے زرعی عمل کا آغاز مٹی کی درستگی سے کرتا ہے، نہ کہ فصل اُگانے سے۔ موجودہ زمانہ کے مسلم مصلحین (بشمول عزت بیگووچ) کا حال یہ ہے کہ اُنہوں نے برعکس طور پر یہ کیا کہ قوم بنانے سے پہلے عملی اقدام شروع کر دیا جو قانونِ فطرت کے مطابق، سراسر بے نتیجہ رہا۔

یہ معکوس نتیجہ سامنے آنے کے بعد ان حضرات کو یہ کرنا چاہئے کہ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کریں، نہ کہ وہ دوسروں سے اس کے بارہ میں سوال کریں۔ اگر یہ مسلم رہنما اپنی غلطی کا اعلان کریں تو اس کا کم از کم یہ فائدہ ہوگا کہ اُن کے بعد کے لوگ اس سے سبق لیں گے اور وہ دوبارہ اس غلطی کو نہ دہرائیں گے۔ اس کے برعکس اگر یہ حضرات اپنی غلطی کا اعلان نہ کریں تو یہ غلطی (شعوری تعمیر سے پہلے سیاسی اور عملی اقدام) آئندہ بھی بدستور جاری رہے گی اور امت کبھی اس تباہ کن طریقِ کار کو چھوڑ کر دوسرا صحیح طریقِ کار نہ اپنا سکے گی۔

سوال

۳۰ مئی ۲۰۰۳ کی شام کو میں آپ کی مجلس میں تھا۔ دو نوجوان جو کسی دفتر میں سروس کرتے ہیں ان کو مشورہ دیتے ہوئے آپ نے کہا کہ آپ لوگ سمجھوتہ کرکے اور ایڈجسٹ کرکے اپنے آفس میں رہیں۔ ان کو نصیحت کرتے ہوئے آپ نے اس مشہور مقولہ کو دہرایا:

Boss is always right

مگر اسی کے ساتھ آپ نے اپنے بارہ میں کہا کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔ میں نے ہمیشہ غیر مصالحتی انداز (uncompromising attitude) اختیار کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ دوعملی نہیں۔ آپ خود تو سمجھوتہ نہیں کرتے مگر دوسروں کو سمجھوتہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ کیا یہ اس آیت کا مصداق نہیں کہ لِمَ تقولون مالا تفعلون۔ (امام بٹ، نئی دہلی)

جواب

آپ کا یہ سوال ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اور اس غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ آپ تمیز (differentiation) کے اصول کو سمجھ نہ سکے۔ یعنی ایک چیز اور دوسری چیز کے درمیان فرق کرنا۔ یہ تمیز وتفریق معاملہ فہمی کی شرط لازم ہے۔

اصل یہ ہے کہ قرآن کی مذکورہ آیت منافقانہ پالیسی کے بارے میں ہے۔ مثلاً ایک آدمی جہاد کی باتیں کرکے دوسروں کو لڑنے پر اکسائے مگر وہ اپنے آپ کو لڑائی سے دور رکھے۔ اسی روش کا نام دو

عملی (duplicity) کی پالیسی ہے۔ مگر جو بات میں نے کہی اس کا تعلق انسانی خیر خواہی سے ہے۔

یہی طریقہ اسلام کی روح کے مطابق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی عام پالیسی یہ تھی کہ آپ خود تو ہمیشہ عزیمت کا طریقہ اختیار فرماتے تھے مگر دوسروں کو یُسر (آسانی) کے طریقہ کی تلقین کرتے تھے۔ مثلاً آپ رمضان کے مہینہ کے علاوہ کثرت سے روزے رکھتے تھے مگر دوسروں کو آپ نے یہ کہہ کر منع فرمایا کہ تم اس کا تحمل نہیں کر سکتے۔ خود عزیمت پر قائم ہونا اور دوسروں کو رخصت کا مشورہ دینا منافقت نہیں ہے بلکہ یہ خیر خواہی ہے۔ اور یہی تمام صالحین کا طریقہ رہا ہے۔

سوال

میں آپ کا الرسالہ ۲۵ سال کی عمر سے پڑھتا رہا ہوں۔ اندر ہی اندر آپ کا عقیدت مند ہوں۔ آپ کا مطالعہ کرتا ہوں تو ذہنی تشنگی دور ہوتی ہے۔ مجھے اپنی زندگی کے شب و روز کی تکالیف اور پریشانیوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت ملتی ہے، ایک سکون ملتا ہے۔ اور اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہنے کی تگ و دو ملتی ہے۔ براہ کرم مجھے اپنے مزید مشوروں سے نوازیں (شبیر بیگ، کرناٹک)

جواب

یاد رکھئے کہ زندگی ایک آرٹ ہے۔ زندگی میں کامیابی کا راز یہ ہے کہ آدمی کانٹوں سے بچتے ہوئے پھولوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ کانٹوں سے اُلجھنے والا آدمی خود اپنا نقصان کرتا ہے۔ اُس کو اپنی اس روش کی یہ بھاری قیمت دینی پڑتی ہے کہ وہ پھول کو پانے سے محروم رہ جائے۔

سوال

گذشتہ چند ماہ سے ہم اپنے حلقۂ احباب میں آپ کی تصنیف تذکیر القرآن کا اجتماعی مطالعہ کر رہے ہیں۔ الحمد للہ اُس کے بڑے اچھے اثرات ظاہر ہو رہے ہیں۔ لیکن افسوس کہ چند حضرات جو تبلیغی جماعت سے وابستہ ہیں وہ ہمارے اس عمل کی شدت سے مخالفت کر رہے ہیں۔ بلکہ ہمیں مطالعۂ قرآن سے روکنے کے لیے وہ غیر اخلاقی حرکتیں بھی کر رہے ہیں۔ ان حضرات کا اصرار ہے کہ صرف اور صرف ''فضائل اعمال'' کا ہی اجتماعی مطالعہ ہونا چاہیے۔ یہی کتاب فی زمانہ ہدایت کا بہترین ذریعہ ہے۔ رہا

قرآن تو یہ بہت بلند کتاب ہے اور یہ عام مسلمان کے لیے نہیں ہے۔ اسے وہ علماء ہی پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں جو کئی علوم سے واقف ہوں۔ براہ کرم اس الجھن کو دور فرمائیں۔ (حبیب اشرف)

جواب

پچھلے سو برس کے اندر مسلمانوں میں دو چیزیں بہت مقبول ہوئی ہیں۔ ایک، اقبال کا شاعرانہ کلام۔ اور دوسرے، تبلیغی جماعت کی فضائل اعمال۔ دونوں بظاہر مختلف ہیں۔ مگر اُن کی مقبولیت کا سبب ایک ہے۔ اور وہ یہ کہ زوال یافتہ قوم کو اس قسم کی چیزیں بہت اپیل کرتی ہیں۔ زوال یافتہ قوم کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ حقیقی عمل کے بجائے خیالی پروازوں کو پسند کرنے لگتی ہے۔ مثلاً اقبال کے کلام میں مسلمان یہ پڑھ کر جھوم اُٹھتے ہیں کہ:

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

اسی طرح مسلمان جب فضائل کی کہانیوں میں پڑھتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے ظاہری اعمال پر جنت الفردوس مل رہی ہے تو اپنے زوال یافتہ مزاج کی بنا پر وہ تیزی سے اُس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ یہ سب بن کیے پر کریڈٹ لینا ہے اور زوال یافتہ قوموں کی یہی خاص نفسیات ہوتی ہے، اس میں کوئی استثناء نہیں۔

سوال

ایک حافظ صاحب میرے شہر میں یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ مولانا وحید الدین خان ہر ایک جماعت سے نکالے جا چکے ہیں۔ مثلاً جماعت اسلامی کو چھوڑ کر وہ پیامِ انسانیت لکھنؤ گئے، اس کو چھوڑ کر تبلیغی جماعت میں گئے، تبلیغی جماعت کو چھوڑ کر جمعیۃ العلماء ہند میں گئے اور پھر اس کو چھوڑ کر الرسالہ پر قبضہ کر لیا۔ جب کہ حدیث میں ہے کہ گلّے سے نکلی ہوئی بکری کو بھیڑیا کھا جاتا ہے۔ براہ کرم اس کی وضاحت کریں کہ آپ کیوں ایک جگہ سے دوسری جگہ گئے۔ (شاہ عمران حسن، مونگیر، بہار)

جواب

آپ نے جو سوال تحریر فرمایا ہے، سب سے پہلے یہ ثابت ہونا ضروری ہے کہ یہ سوال درست ہے۔ یعنی یہ کہ مجھ کو فلاں فلاں جماعت یا ادارہ سے نکالا گیا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ آپ ان تمام جماعت یا اداروں کو خط لکھیں اور اُن سے پوچھیں کہ کیا واقعتاً مجھ کو ان جماعتوں یا اداروں سے نکالا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ان جماعت کے ذمہ داروں کا تحریری جواب حاصل کر کے بھیجیں، اس کے بعد میں آپ کے سوال کی وضاحت کروں گا۔ ابھی تو خود یہ سوال غیر ثابت شدہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے کبھی کسی جماعت سے نکالا نہیں گیا۔

میرا کہنا یہ ہے کہ یہ ایک جھوٹی بات ہے کہ مجھے کسی جماعت سے نکالا گیا۔ آپ یا مذکورہ حافظ اس سلسلہ میں متعلقہ جماعتوں کا تحریری جواب حاصل کریں تو اُس کے بعد میں ضرور اس کی وضاحت کروں گا۔ مذکورہ حافظ صاحب اس معاملہ میں پارٹی نہیں ہیں۔ اس معاملہ میں پارٹی یا تو میں ہوں یا مذکورہ جماعتیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میرا کہنا یہ ہے کہ نکالے جانے کا افسانہ ایک جھوٹا افسانہ ہے۔ اب دوسری بات یہ ہے کہ اس معاملہ میں مذکورہ پارٹیوں کا تحریری بیان آپ کے پاس یا حافظ صاحب کے پاس ہو۔ ایسے بیان کی غیر موجودگی میں میرے خلاف مذکورہ پروپیگنڈہ ایک جھوٹا پروپیگنڈہ ہے جس کی کوئی اصل حقیقت موجود نہیں۔

سوال

ایک مفتی صاحب سے میں نے بینک کے سود کے بارہ میں پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ سود نہیں ہے کیوں کہ ہم بینک والوں سے مطالبہ نہیں کرتے ہیں کہ آپ ہمارے روپے پا اتنا منافع دو۔ وہ ہماری مرضی پر نہیں بلکہ اپنی مرضی اور قانون کے حساب سے منافع دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ حکومت اسلامی نہیں۔ برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں سود کی حلت وحرمت کے بارہ میں ہمیں آگاہ کریں۔ (محمد عباس)

جواب

آپ کے مذکورہ سوال کا جواب علماء اسلام بار بار دے چکے ہیں۔ اب آپ کے لئے یہ کوئی صحیح

شکل نہیں ہے کہ اس سوال کو دوسرے علماء سے آپ بار بار پوچھیں۔ اس قسم کے سوال و جواب سے حدیث میں سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔

اب آپ کے لئے دو میں سے ایک صورت ہے۔ یا تو آپ علماء کی طرف سے دیئے ہوئے جوابات کو لے کر ان پر عمل کریں اور اگر آپ ان پر مطمئن نہیں ہیں تو آپ کے لئے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو خدا کے سامنے جواب دہ سمجھ کر خود اپنے دل سے پوچھیں کہ کون سی روش میرے لئے درست ہو سکتی ہے اور جو مجھے خدا کی پکڑ سے بچانے والی ہے۔ اس طرح کے احساس کے ساتھ خدا کو حاضر و ناظر سمجھتے ہوئے جو جواب آپ کو سمجھ میں آئے اس پر عمل فرمائیں اور اس کے بعد پھر کسی سے نہ پوچھیں۔ صرف خدا سے یہ دعا کرتے رہیں کہ وہ آخرت میں آپ کو اپنی غلطی کے لئے معاف کرے۔

سوال

میں الرسالہ کا ایک مستقل قاری ہوں۔ الرسالہ مشن کے علاوہ تصوف، یعنی اسلامی تصوف سے متعلق کتب کا مطالعہ بھی جاری ہے۔ آپ نے مئی ۲۰۰۳ کے رسالے میں صفحہ ۵ پر تصوف کو یوگا سے مشابہت دی ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ مہربانی کر کے وضاحت فرمادیں۔ واضح رہے کہ میں آپ کو ایک بڑا اچھا صوفی سمجھتا ہوں۔ الجھن دور فرمادیں (جاوید حسین وانی، اننت ناگ، کشمیر)

جواب

میں ایک پیدائشی صوفی ہوں۔ مگر میرا صوفی ازم مروّجہ تصوف سے الگ ہے۔ میں قرآن کے الفاظ میں الربّانیہ پر یقین رکھتا ہوں۔ یعنی آدمی کے فکر اور جذبات کا رُخ مکمل طور پر خدا کی طرف ہو جانا۔ خدا کے ساتھ حُبِّ شدید اور خوفِ شدید کا تعلق پیدا ہو جانا۔ خدا کے ساتھ روحانی طور پر کامل وابستگی ہو جانا۔ حدیث کے الفاظ میں تعبداللہ کانک تراہ کے درجہ کو پالینا۔

جہاں تک رواجی تصوف کا تعلق ہے وہ قرآن کے الفاظ میں، مضاہات ہے۔ حقیقی تصوف داخلی اسپرٹ پر قائم ہوتا ہے۔ جب کہ رواجی تصوف سارا کا سارا ظاہری فارم پر مبنی ہے۔ اس میں خارجی

عضویاتی مشقوں کو داخلی روحانی ارتقاء کا ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ میرے نزدیک بالکل بے بنیاد ہے۔ میرے نزدیک متصوفانہ اعمال واشغال کا حقیقی روحانی ارتقاء سے کوئی تعلق نہیں۔

سوال

میری ازدواجی زندگی میں شریک حیات کے درمیان خلیج پیدا ہوگئی۔ اس سلسلہ میں میرے دماغ میں مختلف سوالات گونج رہے ہیں۔ میری شریک حیات صحت خراب ہونے کی وجہ سے میری اجازت کے بغیر اپنے گھر چلی گئی۔ ایک دن بعد پتہ چلا کہ خدا نے ہمیں اولاد عطا کیا ہے۔ چار ماہ بعد اس نے مجھ کو یہ جواب دیا کہ میں الگ سکونت اختیار کرلوں گی کیونکہ آپ کے گھر والوں سے میری بنتی نہیں۔ وہ الگ سکونت اختیار کرنے کی ضد پر قائم ہے جب کہ میری رائے اس سے مختلف ہے۔ اس سلسلہ میں مجھے کیا کرنا چاہئے (ایک قاری الرسالہ، کشمیر)

جواب

جو مسئلہ آپ نے تحریر فرمایا ہے وہ تقریباً ہر گھر کا مسئلہ ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ باتیں عرض ہیں۔

۱۔ ساس اور بہو کا جھگڑا کبھی دوطرفہ بنیاد پر حل نہیں ہوتا وہ ہمیشہ یک طرفہ بنیاد پر حل ہوتا ہے۔ یعنی یا تو ساس یک طرفہ طور پر سمجھوتہ کرے یا بہو یک طرفہ طور پر سمجھوتہ کرے۔ مگر عملاً یہ ہوتا ہے کہ بہو کو اس کے نادان ماں باپ یک طرفہ سمجھوتہ کرنے نہیں دیتے۔ اسی طرح ساس کو اس کا نادان بیٹا یک طرفہ سمجھوتہ پر راضی نہیں کر پاتا۔ اس بنا پر وہ مسائل پیدا ہوتے ہیں جن کا آپ نے ذکر کیا۔

۲۔ اس مسئلہ کا پائدار حل صرف یہ ہے کہ آدمی اس وقت شادی کرے جب کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ الگ مکان میں رہنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ جب تک یہ استطاعت نہ ہو وہ انتظار کرے۔

۳۔ موجودہ حالات میں میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنی بیوی کو اس کے میکے میں رہنے دیں۔ آپ خود وہاں کبھی کبھی جائیں مگر بیوی کو اپنے گھر لانے کی کوشش نہ کریں۔ فی الحال آپ یہی کریں اور مزید کے لیے مستقبل کا انتظار کریں۔

سوال

میرے دو بچے ہیں، دوسرا بچہ بڑا ضدّی ہے۔ بار بار اس کا حیران و پریشان کرنا میرے لیے ایک مسئلہ ہے۔ میں اس مسئلہ سے کیسے نجات پاؤں۔ (ابرار احمد رفعت، سورت)

جواب

آپ نے لکھا ہے کہ آپ کا دوسرا بچہ بڑا ضدّی ہے۔ اُس کا حیران و پریشان کرنا آپ کے لیے ایک مسئلہ ہے۔ میرے تجربہ کے مطابق، اکثر باپ اس مسئلہ سے دوچار رہتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ یہ حقیقتاً لاڈ پیار کی قیمت ہے جس کو والدین عام طور پر ضد کا نام دے دیتے ہیں۔ اس طرح وہ نہ اس مسئلہ کی جڑ کو سمجھتے ہیں اور نہ اُس کو حل کر پاتے ہیں۔

میرے نزدیک لاڈ پیار (pampering) سب سے بُرا تحفہ ہے جو اکثر ماں باپ اپنے بچوں کو دیا کرتے ہیں۔ بطور خود وہ اس کو محبت سمجھتے ہیں حالاں کہ نتیجہ کے اعتبار سے وہ ایک دشمنی ہے۔ کیوں کہ ایسی روش بچہ کو ہمیشہ کے لیے غیر حقیقت پسند بنا دیتی ہے۔

سوال

ایک روز آکاش وانی پٹنہ دربھنگہ (پٹنہ ریڈیو) سن رہا تھا۔ اس میں ایک مقرر نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ۱۶۰ گھر پڑوسی میں آتے ہیں۔ یعنی ۴۰ گھر دائیں، ۴۰ گھر بائیں، ۴۰ گھر پیچھے، ۴۰ گھر آگے۔ ایک آدمی کے چاروں طرف ۴۰۔۴۰ گھر پڑوسی کا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کا آدمی اس حدیث پر کس طرح عمل کرے گا جب کہ ۲۴ گھنٹہ کے اندر بھی ۱۶۰ لوگوں کے گھر جا کر ملاقات کرنا ممکن نہیں ہے اور اس آدمی کو ڈیوٹی بھی کرنا پڑے گا، اپنے بچوں میں کچھ وقت دینا ہوگا اور انہی اوقات میں وہ نماز بھی پڑھے گا۔ تو کس طرح ممکن ہے کہ حدیث پر عمل بھی کیا جائے اور انسان ہر کام بھی کر لے۔ (شاہ عمران حسن، مونگیر، بہار)

جواب

۱۶۰ والا قول جو آپ نے نقل کیا ہے یہ کوئی حدیث نہیں ہے۔ یہ ایک من گڑھت بات ہے۔

پہلے زمانہ میں کچھ لوگ ہوتے تھے جن کو قصہ گو یا قُصّاص (Story tellers) کہا جاتا تھا۔ اِس قسم کے لوگ ہر زبان میں ہوتے تھے اور اسی طرح عربی زبان میں بھی عرب قصاص کی باتوں کو لوگوں نے کتابوں میں جمع کرلیا اور اس کو حدیث سمجھ کر دہرانے لگے۔ موجودہ زمانہ میں بعض جماعتیں اسی قسم کی بے بنیاد قصہ کہانیوں پر کھڑی ہوئی ہیں۔ عوام چونکہ طلسماتی کہانیوں سے دلچسپی لیتے ہیں اس لئے ان جماعتوں کے گرد بہت جلد عوام کی بھیڑ اکٹھا ہو جاتی ہے۔ عوام کی یہ بھیڑ ان کے لئے بظاہر ایک سند بن گئی۔ اس قسم کی کہانیاں جو لاکھوں کی تعداد میں عوام کے درمیان پھیلی ہوئی ہیں وہ سب باطل ہیں۔ وہ دین حق پر پردہ ڈالنے کے ہم معنیٰ ہیں۔ پڑوسی کا حق بلاشبہ نہایت اہم ہے۔ اسلام میں اس کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ مگر پڑوسی کے حق کا تعین گنتی اور میٹر سے ناپ کر طے نہیں کیا جائے گا۔ پڑوسی کے حق کا مطلب صرف یہ ہے کہ جو پڑوسی تمہارے رابطہ (contact) میں آئے، خواہ وہ مقامی ہو یا غیر مقامی، اس کا حق ادا کرو۔ یا کم از کم یہ کرو کہ اس کے لئے حدیث کی زبان میں کوئی بائقہ (شر) پیدا نہ کرو۔

یاد رکھئے، وہی بات اسلام کی بات ہے جو قرآن سے ثابت ہو یا اُصول حدیث کے مطابق صحیح روایات سے ثابت ہو۔ ان دو کے سوا کوئی بھی تیسرا مستند ذریعہ نہیں۔ مثلاً مفروضہ اکابر کے اقوال، فضائل کی کہانیاں، خواب اور مکاشفہ، کراماتی داستانیں، یہ سب بے اصل ہیں۔ ان چیزوں میں مشغول ہونا ایک گناہ ہے، نہ کہ کوئی ثواب کا کام۔

سوال

میرے ایک ہم پیشہ کا قول ہے "نومسلم سید کی برابری کب کرسکتا ہے"۔ یہ صاحب خود سید ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس جملے میں توہین رسالت شامل ہے۔ کیونکہ رسول اللہ کے والدین مسلمان نہ تھے۔ آپ کے خیال میں کیا سیدی کا یہ انداز عام لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرسکتا ہے۔

جواب

بہت سے سوالات کا سادہ جواب یہ ہوتا ہے کہ اُن کو سوال ہی نہ بنایا جائے۔ ہر سوال کا جواب

دریافت کرنے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ آدمی اپنے شعور کو اتنا زیادہ بیدار کرے کہ وہ اپنے آپ ہر سوال کا جواب پالے۔

سوال

گذشتہ ۳۱ اگست ۲۰۰۳ کو ہمارے دربھنگہ پارلیمانی حلقہ کے نمائندہ جناب کیرتی جھا آزاد صاحب (معزز ایم پی، بی جے پی) علاقہ کے دورہ پر تھے۔ وہ اس موقع پر ہماری بستی اسراہا میں بھی تشریف لائے۔ یہاں پر ابوالکلام آزاد لائبریری کے احاطے میں ان کا استقبال کیا گیا۔ اس موقع کو غنیمت جان کر میں نے ہندی قرآن مجید اور آپ کی کچھ ہندی کتابوں کے ساتھ الرسالہ ہندی کے کچھ شمارے بھی اس درخواست کے ساتھ دیئے کہ وہ ان کتابوں کا فرصت کے لمحات میں مطالعہ کریں۔ انہوں نے مطالعہ کرنے کا وعدہ کیا۔ ہمارے اس اقدام پر علاقہ کے کچھ لوگوں نے اس طرح کے اعتراضات کئے کہ بی جے پی کے آدمی کو جو غیر مسلم بھی ہے، قرآن مجید دینا ٹھیک نہیں... اس موقع پر دوسرا اور کچھ کیا جاتا مگر قرآن مجید نہ دیا جاتا وغیرہ۔ براہِ کرم آپ اس کا جواب دیں۔
(نثار اختر، دربھنگہ، بہار)

جواب

کسی غیر مسلم کو قرآن کا ترجمہ دینا بالکل درست ہے اور وہ عین ثواب کا کام ہے۔ دورِ اول سے لے کر اب تک بے شمار غیر مسلموں نے قرآن کو پڑھا اور اس سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ موجودہ زمانہ میں سعودی حکومت لاکھوں کی تعداد میں قرآن چھاپ کر دنیا کے غیر مسلموں میں مفت تقسیم کرتی ہے۔ قرآن کو غیر مسلموں تک پہنچانا بلاشبہ دعوت کا کام ہے۔ اس میں اعتراض کی کوئی بھی بات نہیں۔

سوال

اپریل ۲۰۰۳ کے الرسالہ کے شمارہ میں ایک سوال کے جواب میں قرآن کی ایک آیت کا ترجمہ اس طرح دیا ہوا ہے:

''اور تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کا نتیجہ ہوتی ہے۔'' اسی جواب میں ایک حدیث کے ذریعہ سے یہ نقل کیا گیا ہے:

''یعنی اے علی! جو مصیبت بھی تم پر آتی ہے خواہ وہ بیماری ہو یا عقوبت ہو یا کوئی دنیوی مصیبت ہو تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہوتی ہے (صفحہ ۲۲)

۱۔ حضرت عمر فاروقؓ پر نماز پڑھتے وقت خنجر کے وار اور اس سے ان کا قتل۔

۲۔ حضرت عثمان غنیؓ کی محمد بن ابی بکر نے داڑھی پکڑ کر بے عزتی کی۔ قرآن پڑھتے وقت ان پر قاتلانہ حملہ کیا۔ قتل کرنے کے بعد انہیں ٹھوکریں ماریں۔ تین دن تک ان کی لاش بے گور و کفن پڑی رہی۔

۳۔ جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کا جنگ کے لئے ایک دوسرے کے سامنے آنا۔

۴۔ حضرت علیؓ پر مسجد میں نماز کے لئے آتے وقت قاتلانہ حملہ اور ان کی شہادت۔

۵۔ حضرت امام حسنؓ کو ان کی بیوی جعدہ بنت الاشعث کا زہر دے کر مارنا۔

۶۔ حضرت امام حسینؓ کا کربلا میں قتل کیا جانا اور ان کا سر جسم سے الگ کرنا۔

یہ سب لوگ پیغمبر کے خاص عزیز اور صحابی تھے۔ ان سے کوئی غلطی کیسے ہوسکتی ہے۔ لیکن ان پر جو مصیبت آئی وہ ان کے کون سے کاموں کا نتیجہ تھا۔ براہ کرم اس معاملہ کی وضاحت فرمائیں۔

(امین الدین، دھولپور، راجستھان)

جواب

اس معاملہ میں یا اور کسی معاملہ میں اصل مسئلہ جواب کا نہیں ہے بلکہ سائل کے مزاج کا ہے۔ آپ کا سوال صحیح مزاج کی نمائندگی نہیں کرتا۔ ایک واضح آیت سامنے آنے کے بعد صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کو بلا شرط مان لیا جائے اور اسی رخ پر سوچنا شروع کیا جائے جو رخ آیت میں دیا گیا ہے۔ اگر سائل کا یہ حال ہو کہ آیت سامنے آنے کے بعد بھی وہ اپنے مزاجی سانچہ کو اس کے مطابق نہ بنائے تو کوئی بھی جواب اس کو مطمئن کرنے والا نہیں۔

دوسری بات یہ کہ ایک معاملہ کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ جو بات کہی گئی ہے وہ کس پہلو سے کہی گئی ہے۔ مثلاً مذکورہ آیت میں اگر یہ ہے کہ ہر مصیبت کا سبب خود اپنی کوتاہی ہوتی ہے تو دوسرے مقام پر اسی قرآن میں کہا گیا ہے کہ کئی بار کوئی تکلیف آزمائش (ابتلاء) کی بنا پر پیش آتی ہے۔ اسی طرح قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ موت ہر انسان کے لئے مقدر ہے۔ البتہ کسی کی موت ایک صورت سے پیش آتی ہے اور کسی کی دوسری صورت سے۔

الرسالہ میں جو بات کہی گئی ہے وہ اصلاً اس مزاج کی تردید کے لئے ہے کہ اپنی مصیبتوں کا ذمہ دار کسی مفروضہ دشمن کو قرار دے کر اس کے خلاف شکایت اور احتجاج کا طوفان برپا کیا جائے۔ صحیح قرآنی مزاج یہ ہے کہ ہر مصیبت کے موقع پر احتساب خویش کا ذہن ابھرنا چاہئے، نہ کہ احتساب غیر کا ذہن۔

سوال

۱۵ دن قبل آنجناب کا ایک پروگرام ٹیلی ویژن پر نشر ہو رہا تھا جسے اخیر کے چند لمحے دیکھنے اور سننے کا موقع ملا۔ اس نشریئے میں آنجناب حجرِ اسود سے متعلق معلومات فراہم کر رہے تھے کہ ”حجر اسود جنت سے آیا ہوا پتھر نہیں ہے، نہ ہی یہ کسی زمانے میں سفید رہا ہے بلکہ یہ محض قصہ آرائی ہے جو دیگر کہانیوں کی طرح زمانۂ قدیم سے رواج پا گئی ہے اور نسل در نسل منتقل ہو رہی ہے۔“

جب کہ معروف حدیث میں بالکل واضح ہے کہ حجرِ اسود جنت سے اترا تھا۔ اس وقت وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ اس طرح آنجناب کے بیان کی تردید ہوتی ہے۔ براہ کرم اس کی وضاحت فرما کر شک وشبہات کو دور کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ (مزمل حسن، دربھنگہ، بہار)

جواب

حجر اسود کے بارہ میں جو روایتیں آپ نے نقل کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ اُن میں سے کوئی بھی قوی اور ثابت شدہ نہیں۔ آپ اس کی تفصیل ابن حجر کی کتاب فتح الباری میں دیکھ سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو کتاب الحج، باب ماذکر فی الحجر الاسود، جلد ۳، صفحہ ۵۴۰-۵۴۱۔

سوال

حدیث میں آیا ہے کہ ختم نبوت کے بعد اللہ ہر صدی کے سرے پر ایک مجدّد بھیجتا رہے گا۔ کتابوں میں بھی اب تک کے مجدّد کی فہرست دیکھی جاسکتی ہے۔ ان تمام ناموں کے گرد لوگ الگ الگ گروہ بنائے بیٹھے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی لازمی قرار پائی اور ان کے بعد نبی آخر الزّماں حضور پاکؐ کی پیروی لازم قرار پائی۔ اسی طرح تمام مسلمانوں پر ان کے صدی کے مجدّد کی رہنمائی لازم ہوگی یا پہلے کے کسی مجدّد کی باتوں سے رہنمائی لینی ہوگی۔ ایسا دیکھا جاتا ہے کہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی جو گروہ جس سے عقیدت رکھتا ہے وہ اسی کی بات آخری سند کے طور پر مانتا ہے جب کہ حالات کی تبدیلی پرانی باتوں کو غیر متعلق بنا دیتی ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا ہر صدی کے سرے پر تمام ملکوں میں الگ الگ مجدّد ہوں گے یا تمام دنیائے اسلام کے لئے ایک ہی مجدّد ہوں گے۔ (وسیم اختر، کشن گنج)

جواب

مجدّد ایک خدمت ہے، وہ کوئی عہدہ نہیں۔ نیز یہ کہ مجدّد نبوت سے بالکل مختلف چیز ہے۔ نبی اپنے کام کا آغاز دعویٰ سے کرتا ہے۔ مگر مجدّد کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ دعویٰ سے اپنے کام کا آغاز کرے۔ حتیٰ کہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی یہ درست نہیں کہ وہ کسی متعین شخص کے بارہ میں یہ یقین کرلیں کہ وہ متعلقہ حدیث کے مطابق خدا کی طرف سے مبعوث ایک مجدّد ہے۔ مجدّد کے اس تصور کے مطابق، گروہ بندی اپنے آپ ختم ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ گروہ بندی کسی شخصیت کو یقینی معنوں میں مجدّد کا درجہ دینے سے بنتی ہے۔ اور جب کوئی شخص یقینی طور پر مجدّد ہی نہ ہو تو اُس کے نام پر جماعت کیسے بنے گی۔

اس معاملہ کا ایک واقعاتی ثبوت یہ ہے کہ بعد کے علماء متفقہ طور پر، عمر بن عبدالعزیز کو اسلام کی تاریخ کا پہلا مجدّد مانتے ہیں۔ مگر جیسا کہ معلوم ہے، خود عمر بن عبدالعزیز نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں مجدّد ہوں اور نہ عمر بن عبدالعزیز کے ہم عصر علماء نے یہ اعلان کیا کہ عمر بن عبدالعزیز اس صدی کے مجدّد تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ تجدیدِ دین ایک اجتہادی معاملہ ہے۔ یہ اصلاً ایک مجتہد کا کام ہے، نہ کہ کسی

مقلِّد کا۔ صحیح البخاری کی روایت کے مطابق، اجتہاد صحیح بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی۔ اس لیے اگر کوئی شخص تجدیدی کام کرے تو اُس کے کام میں صواب اور خطا دونوں کا احتمال رہے گا۔ یہ فیصلہ صرف خدا کرے گا کہ کوئی شخص سچا مجدِّد تھا یا نہیں۔ ایسی حالت میں دعویٰ اور اعلان دونوں بے معنیٰ ہو جاتے ہیں۔

سوال

میں الرسالہ کا مستقل قاری ہوں۔ لیکن میں مسلم ملت کے مسائل سے متعلق آپ کے خیالات سے متفق نہیں ہوں۔ ہندستان میں ہندو۔ مسلم کے ساتھ الگ الگ سلوک کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور محسوس کرتا ہوں۔ لیکن افسوس کہ آپ ہمیشہ مسلم قوم کو ہری ہری دکھاتے رہے ہیں۔ آپ سمجھتے کچھ ہیں اور مسلم قوم کو سمجھاتے کچھ ہیں۔ غیر ارادی طور پر آپ الرسالہ میں مسلم قوم کو جو مسائل درپیش ہیں ان کا اعتراف بھی کرتے رہے ہیں۔ آخر جو حقیقت ہوتی ہے وہ ظاہر ہو ہی جاتی ہے چاہے جتنا اس پر کوئی پردہ ڈالنے کی کوشش کرے۔

اس کی تازہ مثال مارچ ۲۰۰۳ کا الرسالہ ہے۔ اس شمارہ کے صفحہ ۳۰ پر آپ نے انگریزی ماہنامہ مسلم انڈیا کے آخری ایڈیٹوریل کے ایک جملہ پر تبصرہ کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس سے ان تمام لکھنے اور بولنے والوں کی تصدیق ہوتی ہے جو کہ آپ کے الفاظ میں منفی ذہن اور احتجاجی مزاج رکھتے ہیں۔ میں مسلم انڈیا کے جملے اور اس پر آپ کے تبصرہ کو یہاں نقل کرتا ہوں۔

"The Muslim India, thus became the record of the community's struggle for dignity, equality and justice, shirking fanaticism and engaging chauvinism, at the same time". (P. 530)

"ان مطبوعہ الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم انڈیا کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو عظمت اور مساوات اور انصاف ملے۔ اسی کے ساتھ وہ ہندو کٹر واد کے خطرے سے بچ سکیں۔ مگر جیسا کہ ہر آدمی جانتا ہے، یہ مقاصد کسی بھی درجہ میں پورے نہیں ہوئے۔ اس اعتبار سے بیس سال پہلے مسلمانوں کی جو حالت تھی وہی آج بھی برقرار ہے۔ ایسی حالت میں مسلم انڈیا

کے بانی اور ایڈیٹر کو یہ اعلان کرنا چاہئے تھا کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس لئے اب ہم اس میدان سے ہٹ رہے ہیں۔ اس کے برعکس انہوں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ ہمارا مقصد پورا ہو چکا ہے اس لئے اب ہم اپنا آخری ایڈیٹوریل لکھ رہے ہیں۔''

آپ کے مذکورہ تبصرہ میں صاف طور پر مسلمانوں کی اصل حیثیت یعنی ان کو ہندستان میں عظمت، مساوات اور انصاف کے نہ ملنے کا اعتراف ہے۔ ساتھ ہی وہ ہندو کٹر واد کا سامنا کر رہے ہیں اور ان کو گذشتہ بیس برسوں سے ان حالات کا سامنا ہے۔ ایک طرف تو آپ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس ملک میں کسی طرح کا کوئی خطرہ نہیں اور ان کو اس ملک میں پورا پورا انصاف مل رہا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس ملک میں ان کو پورے مواقع ملے ہوئے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آپ کی کون سی بات حقیقت پر مبنی ہے۔ آپ کے اس مذکورہ تبصرہ کو دیکھتے ہوئے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ دوسروں کی طرح آپ بھی منافقانہ روش پر چل رہے ہیں جس کا الزام آپ دوسروں کو دیتے رہے ہیں۔ یعنی یہ کہ جو آپ کے دل میں ہے اس کو آپ چھپا رہے ہیں اور جو کہتے اور عوام کے سامنے لاتے ہیں وہ آپ کے اندر کی بات نہیں ہے۔ آپ سے گذارش ہے کہ آپ اس خط کا مفصل اور تسلی بخش جواب دیں اور گستاخی معاف کریں۔ (مشتاق احمد ندوی، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی)

جواب

میرے اندازہ کے مطابق، آپ نے کبھی سنجیدگی کے ساتھ الرسالہ کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی، ورنہ آپ ایسا نہ لکھتے۔ میں مسئلہ کے وجود کا منکر نہیں ہوں۔ میرا کہنا صرف یہ ہے کہ مسئلہ کو حل کرنے کے لیے شکایت اور احتجاج کا طریقہ غیر مفید ہے اور تجربہ سے عملاً غیر مفید ثابت ہوا ہے۔

سوال

الرسالہ کی جادو بیانی کا تجربہ میں نے اخلاقی تعلیم کے دور میں کیا۔ الرسالہ کا سحر طلبہ وطالبات کو بے قابو کر دیتا تھا۔ ان میں فکر و کردار کی بلندی اور قوم وملت کے لئے کچھ کر گزرنے کا جوش مجھے حیران کر دیتا تھا۔ ان کی یہ حساسیت مجھے گہرے مطالعہ، بلند کردار اور وقف ہونے کے جذبے کو پروان

پڑھاتی تھیں۔ استاد محترم میری عمر تیس سال، B.ED, B.A. (HINDI) کرنے کے بعد ہائی اسکول میں معلّم کے فرائض انجام دے رہا ہوں۔ معلّمی کے ساتھ ہی میں نے اکسٹرنل طالب علم کی حیثیت سے اردو ادب میں B.A.، اردو اور ہندی ادب میں M.A. کیا اور اس وقت پالیٹکس میں M.A. جاری ہے۔ چھوٹا بھائی عمران بھی الرسالہ کا مستقل قاری اور آپ کا گرویدہ ہے۔ الرسالہ مشن کو مقامی سطح پر اخبار کے ذریعے عام کرنے کے لئے آپ کی اجازت کا خواہشمند ہوں۔ آپ سے درخواست ہے کہ براہ کرم ہماری رہنمائی اور سرپرستی فرمائیں۔ (ناصر مینی، نندربار، مہاراشٹر)

جواب

کام بقدرِ شوق نہیں کیا جاتا بلکہ بقدر امکان کیا جاتا ہے۔ آپ کے موجودہ حالات کے لحاظ سے بروقت جو کچھ آپ کے لیے ممکن ہو وہاں سے اپنے کام کا آغاز کر دیجئے۔ بقیہ چیزیں دھیرے دھیرے اپنے آپ ہوتی چلی جائیں گی۔

سوال

مولانا صاحب میرے حق میں اللہ پاک سے خاص طور پر دُعا کیجئے۔ اللہ پاک نے لوگوں سے بہت بڑے بڑے کام لیے ہیں جن میں آپ کا بھی شمار ہے۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں اور اب بھی کر رہا ہوں کہ میرے لئے خاص طور سے دُعا کیجئے۔ (کے رحمٰن)

جواب

دعا کی جاتی ہے، دعا کروائی نہیں جاتی۔ دوسری بات یہ کہ آپ حقیقت پسند بنیں۔ حالات کے مطابق جینا سیکھیں۔ یہ زندگی کا کوئی صحیح طریقہ نہیں کہ آدمی ایسا کام کرنا چاہے جو اُس کے حالات کے اعتبار سے ممکن نہ ہو۔ اپنے ممکن سے آغاز کیجئے۔ اپنے ناممکن سے آغاز کرنے کا خیال چھوڑ دیجئے۔

اسلامک ریپبلک نیوز ایجنسی کے سوالنامے کا جواب

۱۔ فلسطین کی تحریک آزادی کے سلسلہ میں یوم القدس کی اہمیت کیا ہے۔ میرے نزدیک کسی تحریک کو مسلسل متحرک رکھنے کے لیے ایک علامت کی ضرورت ہوتی ہے اور قدس بلاشبہ اسی قسم کی ایک زندہ علامت ہے۔ قدس کی اہمیت اس مسئلہ کی نسبت سے اتنی زیادہ ہے کہ غالباً اُس کا کوئی بدل ممکن نہیں۔

۲۔ میرے نزدیک یوم قدس کی مذہبی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ تحریک آزادئ فلسطین سے قدس کا جڑا ہوا ہونا اس بات کی ضمانت ہے کہ تحریک آزادئ فلسطین کا اسلامی پہلو کبھی اُس سے جدا نہ ہو۔

۳۔ میرے نزدیک یوم قدس کے موقع پر مسلم دنیا کو چاہئے کہ وہ تحریک آزادئ فلسطین کاری اسسمنٹ کرے، نشانہ کے اعتبار سے نہیں بلکہ میتھڈ کے اعتبار سے۔ پیغمبر اسلام کی سنت سے ثابت ہے کہ کوئی مقصد جب ایک میتھڈ کے ذریعہ حاصل نہ ہو رہا ہو تو اُس کے حصول کے لیے دوسرے میتھڈ کا تجربہ کیا جائے، جیسا کہ پیغمبر اسلام نے حدیبیہ پیس اگریمنٹ کے موقع پر کیا۔ اس معاملہ میں میری رائے یہ ہے کہ اس تحریک کے لیڈر اب تک وائلنٹ میتھڈ کے ذریعہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے کوشش کرتے رہے مگر جیسا کہ معلوم ہے، اُس کے مثبت نتائج برآمد نہ ہو سکے۔ اس تجربہ کے بعد اس تحریک کے لیڈروں کو چاہیے کہ وہ پیس فل میتھڈ کا تجربہ کریں۔ (۲۵ نومبر ۲۰۰۲)

۱ انڈین ایکسپریس کے نمائندہ مسٹر دیویانی اونیل (Devyani Onial) نے ۱۷ جولائی ۲۰۰۳ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ موضوع تھا، اسلام اور مسلمان۔ اسی کے ساتھ اُنہوں نے اسلامی مرکز کے مشن کے بارے میں دریافت کیا۔ ان موضوعات پر اُنہیں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا۔ ایک بات یہ کہی گئی کہ یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام میں نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ اصل یہ ہے کہ مسلمان میں نظر ثانی کی ضرورت ہے، نہ کہ اسلام میں۔

۲ انٹرنیشنل کونسل فار ورلڈ پیس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے ساؤتھ کوریا کا سفر کیا۔ وہاں کی راجدھانی سول میں ایک انٹرنیشنل کانفرنس کا انعقاد کیا گیا تھا۔ اس کا موضوع تھا، ورلڈ ایٹ اے ٹرننگ پوائنٹ (World at a Turning Point)۔ یہ سفر ۹ اگست ۲۰۰۳ کو شروع ہوا اور ۱۶ اگست ۲۰۰۳ کو واپسی ہوئی۔ صدر اسلامی مرکز نے اس کانفرنس کی دعوت پر اس میں شرکت کی۔ اُس کی روداد انشاء اللہ ماہنامہ الرسالہ میں سفرنامہ کے تحت شائع کردی جائے گی۔

۳ امریکن انسٹی ٹیوٹ کے زیر انتظام ۱۹ اگست ۲۰۰۳ کو انڈیا انٹرنیشنل سینٹر میں ایک اجتماع ہوا۔ اس اجتماع میں امریکا اور دوسرے مغربی ملکوں کے نوجوان شریک ہوئے۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اُس میں شرکت کی اور اسلام کے موضوع پر ایک تقریر کی۔ تقریر کے بعد سوال و جواب کا پروگرام ہوا۔ یہ پورا پروگرام انگریزی میں تھا۔ صدر اسلامی مرکز اس کے واحد مقرر تھے۔

۴ ایران ٹی وی کی ٹیم نے ۲۶ اگست ۲۰۰۳ کو صدر اسلامی مرکز کا ایک تفصیلی ویڈیو انٹرویو ریکارڈ کیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر ماہ رمضان کے روزے سے تھا۔ سوال و جواب کے دوران روزہ کا انفرادی اور اجتماعی فائدہ بتایا گیا۔ انفرادی اعتبار سے روزہ کا مقصد صبر و شکر اور تقویٰ کی اسپرٹ پیدا کرنا ہے اور اجتماعی اعتبار سے اُس کا مقصد یہ ہے کہ معاشرہ میں دینی فضا بنائی جائے۔ یہ انٹرویو انگریزی میں تھا۔

۵ سہارا سمے (نئی دہلی) کے نمائندہ مسٹر سریواستو نے ۲۶ اگست ۲۰۰۳ کو ٹیلی فون پر صدر اسلامی

مرکز کا انٹرویو لیا۔ ایک سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ ایودھیا کے اشو پر ہر آدمی نے بولنا شروع کر دیا۔ یہ بہت غلط تھا۔ ۹۹ آدمی جب چپ ہوتے ہیں تب ایک کو بولنے کا موقع ملتا ہے۔

۶ نئی دہلی کے انگریزی ماہنامہ فورس (Force) کی نمائندہ غزالہ وہاب نے ۲۹ اگست ۲۰۰۳ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا (Tel.: 91-120-2433268)۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر یونیفارم سول کوڈ سے تھا۔ جواب میں بتایا گیا کہ یونیفارم سول کوڈ کی بات محض ایک وہم ہے۔ کیوں کہ ایسا کبھی ہونے والا ہی نہیں۔ اگر کوئی یونیفارم سول کوڈ بنایا جائے اور اُس کو اختیار کرنا قانونی طور پر لازم قرار دیا جائے تو وہ دستور ہند میں دی ہوئی آزادی کے خلاف ہوگا۔ اس لیے وہ سپریم کورٹ میں رد ہو جائے گا۔ اور اگر وہ اختیاری ہو تو اُس کو بنانے کی ضرورت ہی نہیں۔ کیوں کہ اختیاری نوعیت کا کامن سول کوڈ آج بھی موجود ہے اور یہ وہی ہے جس کو سول میریج ایکٹ کہا جاتا ہے۔

۷ تری وینڈرم میں قائم شدہ شانتی گری آشرم کے زیر اہتمام ۳۱ اگست ۲۰۰۳ کو نئی دہلی کے کیرلا ہاؤس میں ایک فنکشن ہوا۔ اس کی صدارت سابق راشٹر پتی مسٹر کے آر نارائنن نے کی۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اُس میں شرکت کی۔ یہ فنکشن امن اور روحانیت کے موضوع پر تھا۔ صدر اسلامی مرکز نے اس موضوع پر قرآن وحدیث کے حوالہ سے ایک تقریر کی۔ یہ پورا پروگرام انگریزی میں تھا۔

۸ وگیان پریشد اور ڈاکٹر کے۔ سی گپتا کی طرف سے میرٹھ میں ۶۔۷ ستمبر ۲۰۰۳ کو ایک پروگرام کا اہتمام کیا گیا۔ اس کے تحت صدر اسلامی مرکز نے میرٹھ کا سفر کیا۔ وہاں مسلمانوں اور غیر مسلموں میں اُن کے کئی پروگرام ہوئے۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ ماہنامہ الرسالہ میں شائع کر دی جائے گی۔

۹ نئی دہلی کے ست گامتی کالج (Sat Gamati College) میں اس کی آرٹس اینڈ کلچرس سوسائٹی کے تحت ایک اجتماع ہوا۔ یہ اجتماع ۱۲ ستمبر ۲۰۰۳ کو کیا گیا۔ اس اجتماع میں صدر اسلامی مرکز

کو اسلام کے پیغام امن پر بولنے کی دعوت دی گئی تھی۔ چنانچہ اُنہوں نے اس میں شرکت کی۔ کالج کے ہال کی تقریباً تمام سیٹیں بھری ہوئی تھیں۔ اُنہوں نے ایک گھنٹہ اسلام کے موضوع پر تقریر کی۔ اُس کے بعد ایک گھنٹہ تک سوال و جواب ہوا۔ لوگوں نے کافی اطمینان کا اظہار کیا۔ آخر میں طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے صدر اسلامی مرکز نے حضرت علی کا یہ قول سنایا: قیمة المرء ما یحسنه (The value of a man lies in excellence) اُنہوں نے طلباء سے کہا کہ اس قول کی روشنی میں آپ کو میں یہ نصیحت کروں گا کہ:

Always do your best, and ensure success.

۱۰ اناڈوٹی وی کی ٹیم نے ۱۹ ستمبر ۲۰۰۳ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو ریکارڈ کیا۔ اس کا موضوع عالمی امن تھا جو ہر سال ۲۱ ستمبر کو دنیا بھر میں منایا جاتا ہے۔ جوابات کے تحت بتایا گیا کہ امن انسان کی لازمی ضرورت ہے۔ مگر امن کا دن منا کر امن قائم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ شعوری اور تعلیمی جدوجہد کے ذریعہ لوگوں کے ذہن کی تربیت کی جائے۔ لوگوں کو ذہنی اعتبار سے امن پسند بنایا جائے۔

۱۱ بی بی سی ورلڈ سروس کے نمائندہ مسٹر سنیل ککسل (Sunil Kuksal) نے ۲۳ ستمبر ۲۰۰۳ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ یہ انٹرویو ٹیلیفون پر تھا۔ اُن کا سوال یہ تھا کہ انڈیا کے ایک شہر میں ایک نیا دارالافتاء قائم ہوا ہے جس میں مسلم خاتون مفتیہ کا کام کریں گی۔ کیا شریعت میں اس کی اجازت ہے۔ جواب میں بتایا گیا کہ عورت کا مفتیہ ہونا شرعی اعتبار سے جائز ہے۔ اسلام کے دور اوّل میں خواتین مفتیہ کا کام کرتی تھیں۔ فتویٰ کے لفظی معنیٰ رائے (opinion) کے ہیں۔ ہر عالم یا عالمہ کو یہ حق ہے کہ وہ کسی شرعی مسئلہ میں اپنے علم کی بنیاد پر رائے دے۔ مفتی یا مفتیہ کی رائے نہ عدالتی فیصلہ ہے اور نہ وہ مقدس ہے۔

۱۲ امن کے قیام کے مقصد کے تحت ایک عالمی ادارہ ہے۔ اس کا نام یہ ہے:

Interreligious and International Federation for World Peace

ریورینٹ مون اس ادارہ کے چیرمین ہیں۔ ۲۹ ستمبر ۲۰۰۳ کی شام کو اس ادارہ کے تحت نئی دہلی

میں انڈیا انٹرنیشنل سینٹر (انیکسی) میں ایک سیمینار ہوا۔ اس میں دہلی سے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد شریک ہوئے۔ اس سیمینار کا موضوع تھا، پرنسپلس آف پیس (Principles of Peace)۔ اُس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اُس میں شرکت کی۔ اس میں ذریعۂ اظہار خیال انگریزی تھا۔ مختلف لوگوں نے تقریریں کیں۔ صدر اسلامی مرکز نے قرآن کی آیت (حٰم السجدہ ۳۴) کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ قرآن میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جو کوئی تم سے بُرا سلوک کرے، تم اُس سے اچھا سلوک کرو۔ پھر تم دیکھو گے کہ جو تمہارا دشمن تھا وہ تمہارا دوست بن گیا ہے۔ اُنہوں نے بتایا کہ اس قرآنی آیت کے مطابق، ہر دشمن ہمارا امکانی دوست (potential friend) ہے۔ حاضرین نے اس کو بہت پسند کیا اور کہا کہ ہم کو معلوم نہیں تھا کہ قرآن میں ایسی آیت بھی موجود ہے۔ حاضرین میں زیادہ تر ہندو اور عیسائی اور سکھ حضرات تھے۔

۱۳ ٹی این این (Todays News Networks Limited) کی ٹی وی ٹیم ۱۰ اکتوبر ۲۰۰۳ کو مسٹر پرویز احمد کی قیادت میں اسلامی مرکز میں آئی۔ اس نے صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر دو مسئلوں سے تھا۔ حج کے لیے گورنمنٹ کی سبسڈی اور یکساں سول کوڈ کا مسئلہ۔ حج کے معاملہ میں بتایا گیا کہ تمام مسلم ملکوں میں حکومتوں کی طرف سے حج کے لیے سبسڈی دی جاتی ہے اور علماء نے کبھی اس کو غلط نہیں قرار دیا۔ یہی حکم ہندستان میں گورنمنٹ کی طرف سے دی جانے والی حج سبسڈی کا بھی ہے۔ ہندستان کی گورنمنٹ کوئی غیر مسلم گورنمنٹ نہیں، وہ ایک نیشنل گورنمنٹ ہے۔ اس میں مسلمان بھی برابر کے شریک ہیں۔ اس لیے اس معاملہ میں اس کا حکم بھی وہی ہے جو مسلم ملکوں کی حکومتوں کا ہے۔ یکساں سول کوڈ کے بارہ میں بتایا گیا کہ یہ ایک خیالی چیز ہے۔ وہ کوئی قابل عمل چیز نہیں۔ اور جو چیز عمل میں آنے والی ہی نہ ہو اس پر اندیشہ کرنے کی کیا ضرورت۔

۱۴ آچاریہ شری مہاپرجنا پردس دیوستھا سمیتی (سورت) اور جین وشو ودھیالے (دہلی) کے اشتراک سے سورت میں ایک کانفرنس ہوئی جس کے خصوصی مہمان صدر جمہوریہ ڈاکٹر عبد الکلام تھے۔

صدر اسلامی مرکز نے اُس کی دعوت پر اُس میں شرکت کی۔ اس کے بعد احمد آباد کی ایک تنظیم پراٹ کی دعوت پر انہوں نے احمد آباد کا سفر کیا۔ دونوں مقامات پر اُن کے مختلف پروگرام ہوئے۔ یہ سفر ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۳ کو شروع ہوا اور ۱۹ اکتوبر ۲۰۰۳ کو ختم ہوا۔ اس سفر کی روداد انشاء اللہ ماہنامہ الرسالہ میں شائع کر دی جائے گی۔

۱۵ نئی دہلی میں کناڈا کے ہائی کمشنر کی رہائش گاہ پر ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۳ کو ایک خصوصی اجتماع ہوا۔ یہ کناڈا کے ایک ڈیلی گیشن کی آمد پر ہوا تھا۔ اس ڈیلی گیشن میں کناڈا کے سینئر لیڈر شامل تھے۔ یہ لوگ اپنی ہندستان آمد کے موقع پر اسلام اور مسلمان کے موضوع پر معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے اُنہوں نے صدر اسلامی مرکز کو مدعو کیا۔ یہ دو گھنٹہ کا پروگرام تھا۔ صدر اسلامی مرکز نے اُس میں پہلے موضوع پر ایک تقریر کی اور پھر ڈیلی گیشن کے افراد کے سوالات کا جواب دیا۔ ایک سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ ہندستان میں اس وقت مسلمان ۵۷ مسلم ملکوں سے بھی زیادہ بہتر حالت میں ہیں۔ اس وقت ہندستان میں مسلمانوں کی تعداد کسی بھی دوسرے مسلم ملک سے زیادہ ہے۔ یہاں کے مسلمان ہر میدان میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ یہاں اُن کو ہر قسم کی دینی اور دنیوی ترقی کے لیے کھُلے مواقع حاصل ہیں۔ بعض ناخوش گوار واقعات ضرور یہاں ہوئے ہیں مگر اُن کی حیثیت استثناء کی ہے، نہ کہ عموم کی۔

۱۶ انندتا چکر برتی (Anindita Chakrabarti) دہلی یونیورسٹی میں ریسرچ اسکالر ہیں (Tel: 044-24425693)۔ وہ انڈیا کی مسلم دینی جماعتوں پر ریسرچ کر رہی ہیں۔ اُنہوں نے اس موضوع پر ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۳ کو صدر اسلامی مرکز کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ انٹرویو کے دوران بتایا گیا کہ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں میں جو تحریکیں چل رہی ہیں وہ صرف جُزئی طور پر دینی تحریکیں ہیں۔ ان میں سے کوئی ملت وار تحریک ہے، کوئی سیاست وار تحریک، کوئی مسائل وار تحریک ہے اور کوئی مسجد وار تحریک۔ حقیقی معنوں میں کوئی بھی اسلام کے احیاء کی تحریک نہیں۔

۱۷ اناڈو ٹیلی ویژن کے رپورٹر مسٹر راجیو رنجن سنگھ نے ۲۴ اکتوبر ۲۰۰۳ کو صدر اسلامی مرکز کا

ویڈیو انٹرویو ریکارڈ کیا۔ اس انٹرویو کا تعلق سماجی تعمیر میں عدالت کے کردار سے تھا۔ ایک سوال یہ تھا کہ عدالت عالیہ نے فیصلہ دیا ہے کہ دیوالی میں رات کو دس بجے کے بعد پٹاخہ نہ چھوڑا جائے۔ جواب میں بتایا گیا کہ اس قسم کے معاملات کی اصلاح قانون کے ذریعہ نہیں ہوسکتی۔ اس کے لیے شعور بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ سماج میں شعوری بیداری لائے بغیر سماج میں سُدھار لایا نہیں جاسکتا۔

۱۸ نئی دہلی کے برٹش ہائی کمیشن میں ۲۸ اکتوبر ۲۰۰۳ کو ایک خصوصی میٹنگ ہوئی۔ اس میں ہندستان کے دس مذہبوں کے ممتاز نمائندے شریک ہوئے۔ یہ میٹنگ برطانیہ کے پرنس چارلس کی درخواست پر ہوئی جو ان دنوں انڈیا آئے تھے۔ صدر اسلامی مرکز کو اس میں اسلام کے نمائندہ کی حیثیت سے مدعو کیا گیا۔ اُنہوں نے اپنی تقریر میں بتایا کہ اسلام کس طرح پُر امن تعمیر کا حامی ہے۔ اس تقریر کے بعد پرنس چارلس نے اُن سے سوال کیا کہ صوفی ازم کا اثر مسلم سماج پر کم کیوں ہے اور جہادی اسلام کا اثر زیادہ کیوں۔ اس کے جواب میں بتایا گیا کہ یہ بات صرف جُزئی طور پر صحیح ہے۔ صوفی اسلام کا اثر مسلم سماج میں پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے۔ البتہ حال میں بعض سیاسی اور قومی اسباب سے جہاد کے نام پر کچھ سرگرمیاں ہو رہی ہیں۔ مگر یہ اسلامی جہاد نہیں ہے۔ یہ صرف قومی لڑائی ہے۔

۱۹ یروشلم میں قائم شدہ ایلجا اسکول (The Elijah School for the Study of Wisdom in World Religions UNESCO) کی طرف سے صدر اسلامی مرکز کو ایک دعوت نامہ ملا۔ اس کے ڈائرکٹر الون گوشین گاٹ سٹین (Alon Goshen-Gottstein) ہیں۔ اس میٹنگ کو ایلجا اسکول اور فاؤنڈیشن فار تھری کلچرس آف دی مڈیٹرینین (Foundation for Three Cultures of the Mediterranean) نے آرگنائز کیا تھا۔ اندلوسیا کی گورنمنٹ کے انویٹیشن سے اسپین کے شہر اشبیلیہ (Secille) میں یہ کانفرنس ۱۴۔۱۷ دسمبر ۲۰۰۳ کو منعقد ہوئی۔ یہ عالمی مذہبی شخصیتوں کا اجتماع

(Meeting of World Religious Leaders) تھا جس کا موضوع عالمی امن اور مذہبی ہم آہنگی تھا۔ مگر بعض وجوہ سے صدر اسلامی مرکز اس میں شرکت نہ کر سکے۔ تاہم موضوع سے متعلق کچھ ضروری میٹریل انہیں بذریعہ ای میل بھیج دیا گیا۔

۲۰ بہار سے موصولہ ایک خط یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ مرکز تعمیر انسانیت اور مانو تانز مان کیندر کے تحت تعمیری، اصلاحی اور دعوتی کام اور سرگرمیاں برابر جاری ہیں۔ کچھ ماہ قبل سے آپ کی انگریزی کتاب کا فوٹو کاپی کرا کر اور کچھ اردو کتاب چھپوا کر اور اس کا سٹ تیار کر کے لوگوں کے درمیان برائے مطالعہ مفت تقسیم کر رہا ہوں۔ کتابوں کا یہ سیٹ بنا کر پولیتھن بیگ میں پیک کر کے اردو، ہندی اور انگریزی میں خاص و عام لوگوں کے درمیان مفت میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ گذشتہ ماہ ''انسان اپنے آپ کو پہچان'' دو ہزار کاپیاں برائے تقسیم یہاں چھپوائی گئی ہیں۔ اردو، ہندی اور انگریزی میں آپ کی کچھ کتابوں کو ہزار دو ہزار کی تعداد میں چھپوا کر اور آپ کے مضامین کو ہینڈ بل اور فولڈر کی صورت میں چھپوا کر لوگوں میں مفت تقسیم کرنے کا سلسلہ اب جاری رہے گا۔ اردو الرسالہ شمارہ ماہ اکتوبر ۲۰۰۲ میں ''امن کلچر'' میں سے چار صفحہ کا فولڈر اگلے ماہ میں پانچ ہزار چھپوا کر تقسیم کرنے کا ارادہ ہے۔ اس میں امن کیا ہے، قرآن ایک کتاب امن، اسلام ایک مذہب امن ہے اور ــــ امن اور تشدد میں فرق، تک فولڈر میں رہے گا۔ (عظیم الدین ضیفی، گیا)

۲۱ ۱۱ اکتوبر ۲۰۰۳ کو سوئڈن کی راجدھانی میں ایک بڑا اجتماع ہوا۔ اس میں صدر اسلامی مرکز نے دہلی سے خطاب کیا۔ یہ خطاب ٹیلیفون کے ذریعہ ہوا۔ احادیث اور آثار کی روشنی میں اسٹاک ہام میں مقیم مسلمانوں سے آدھ گھنٹہ خطاب کیا گیا۔ رپورٹ کے مطابق، لوگوں نے اس خطاب کو بہت پسند کیا۔

۲۲ دبئی میں قائم شدہ اے آر وائی گولڈ (ریڈیو چینل) کے نمائندہ نے دہلی میں ۲۵ اکتوبر ۲۰۰۳ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو ٹیلی فون پر ریکارڈ کیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر اس مسئلہ سے تھا کہ حج کے بارے میں ہندستانی حکومت جو سبسڈی دیتی ہے اس کا شرعی حکم کیا ہے۔ جواب میں بتایا گیا

کہ وہ بالکل جائز ہے۔ تمام مسلم ملکوں میں حاجیوں کو اس قسم کی سبسڈی دی جاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح ہندستانی حکومت کی سبسڈی بھی جائز ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

۲۳ سہارا سمے (ٹی وی چینل) کی ٹیم نے ۳۰ اکتوبر ۲۰۰۳ کو صدر اسلامی مرکز کا ٹی وی انٹرویو ریکارڈ کیا۔ انٹرویو مسٹر ضمیر ہاشمی تھے۔ سوالات کا تعلق اسلام کے مختلف موضوعات سے تھا۔ مثلاً روزہ کے سماجی فوائد، اسلام میں جہاد کا حکم، وغیرہ۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں تمام سوالات کے جواب دئے گئے۔ ایک بات یہ کہی گئی کہ اسلام کی تعلیمات کو صرف ثواب وعذاب کی اصطلاح میں بیان کرنا کافی نہیں۔ علماء کو یہ کرنا چاہیے کہ وہ جدید ذہن کو سمجھیں اور اسلام کی تعلیمات کو ایسے انداز میں بیان کریں جو آج کے انسان کے لیے قابل فہم ہو۔ جس کو سن کر آج کا انسان یہ سمجھے کہ اسلام موجودہ زمانہ سے بھی اتنا ہی تعلق رکھتا ہے جتنا کہ وہ پچھلے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے۔

۲۴ جوہانسبرگ میں چینل اسلام انٹرنیشنل کے پروگرام کے تحت صدر اسلامی مرکز نے ۱۵ منٹ کی ایک تقریر یکم نومبر ۲۰۰۳ کو انگریزی میں کی۔ تقریر دہلی سے ٹیلی فون پر کی گئی جسے جوہانسبرگ میں ریڈیو پر نشر کیا گیا۔ اس کا موضوع اسلام اور پیس تھا۔

۲۵ انٹر ریلیجس اور انٹرنیشنل فیڈریشن فار ورلڈ پیس (IIFWP) کے زیر انتظام ایک تین روزہ سیمینار (۷۔۹ نومبر ۲۰۰۳) ہوا جس کا موضوع ''لیڈر شپ'' تھا۔ یہ سیمینار گڑگاؤں کے رزورٹ بسٹ وسٹرن کورٹ کنٹری کلب میں منعقد کیا گیا۔ اس کا پورا پروگرام انگریزی میں ہوا۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی اور موضوع پر مختصر اظہار خیال کیا۔

۲۶ اے آر وائی گولڈ (ریڈیو چینل) دبئی کے تحت مسٹر پرویز ہاشمی نے ۲۰ نومبر ۲۰۰۳ کو ٹیلی فون پر صدر اسلامی مرکز کا ایک انٹرویو دبئی سے ریکارڈ کیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر دو موضوع سے تھا۔ رویت ہلال اور جہاد۔ رویت ہلال کے بارے میں بتایا گیا کہ قرآن میں فمن شهد منكم الشهر فليصمه کا لفظ آیا ہے۔ اس سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ رصدگاہ کی شہادت شرعی طور پر معتبر ہے۔ اس کو مان لیا جائے تو تمام نزاع اپنے آپ ختم ہو جائے گی۔ جہاد کے بارے

میں بتایا گیا کہ جہاد اسلام میں صرف دفاع کے لیے ہے اور اس کا حق صرف باقاعدہ حکومت کو حاصل ہے۔ موجودہ زمانہ میں جہاد کے نام سے جو غیر حکومتی سرگرمیاں جاری ہیں ان میں سے کوئی بھی شرعی جہاد نہیں ہے۔

۲۷ واردھا میں قائم شدہ انسٹی ٹیوٹ آف گاندھین اسٹڈیز کے تحت مختلف مذاہب کا ایک سیمینار ہوا۔ یہ پانچ دن (۲۳۔۲۷ نومبر ۲۰۰۳) تک جاری رہا۔ اس میں ہر مذہب کے لیے ایک دن خاص کیا گیا تھا۔ ۲۶ دسمبر کا دن اسلام کے لیے مخصوص تھا۔ صدر اسلامی مرکز نے اس کی دعوت پر اس میں شرکت کی۔ اور ۲۶ دسمبر کے اس پروگرام میں تفصیل کے ساتھ اسلام کا تعارف پیش کیا گیا۔ تقریر کے بعد سوال و جواب کا یہ پروگرام ہوا۔ اس کی روداد انشاء اللہ الرسالہ میں شائع کردی جائے گی۔

۲۸ اہنسا ٹی وی (نئی دہلی) نے ۵ دسمبر ۲۰۰۳ کو صدر اسلامی مرکز کا ویڈیو انٹرویو ریکارڈ کیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر اہنسا کے نظریہ سے تھا۔ جوابات میں بتایا گیا کہ اہنسا یا عدم تشدد فطرت کا ایک اُصول ہے۔ اس دنیا میں پُر امن طریق کار کے ذریعہ کام بنتے ہیں اور متشددانہ طریقِ کار کے ذریعہ کام بگڑ جاتے ہیں۔ اسلام میں تشدد کا استعمال صرف ناگزیر دفاع کے لیے جائز ہے۔ دفاع کے سوا کسی اور مقصد کے لیے تشدد ہرگز جائز نہیں۔ اسلام میں اصل اہمیت امن کی ہے۔

۲۹ اہنسا ٹی وی (نئی دہلی) کی ٹیم ۵ دسمبر ۲۰۰۳ کو مرکز میں آئی۔ اُس نے صدر اسلامی مرکز کا ایک تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا۔ اس انٹرویو کا موضوع اہنسا (عدم تشدد) تھا۔ سوالات کے جواب میں بتایا گیا کہ اسلام کی تمام تعلیمات عدم تشدد کے اصول پر مبنی ہیں۔ اسلام دین فطرت ہے اور فطرت تشدد کو پسند نہیں کرتی۔ اس لیے اسلام میں بھی تشدد کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ اسلام میں جارحیت کی صورت میں ناگزیر ضرورت کے طور پر دفاعی جنگ جائز ہے۔ جب پُر امن طریقِ کار کا اُصول قابلِ عمل ہو تو ہرگز تشدد کا طریقہ استعمال نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ اسلام میں گوریلا وار، پراکسی وار، اعلان کے بغیر وار اور جارحانہ وار یہ سب سراسر ناجائز ہیں۔

ایک خط

برادر محترم عبد السلام اکبانی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ٹیلی فون پر گفتگو کے بعد آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔ قرآن فہمی کے اصول وشرائط کے بارے میں ہزاروں کتابیں اور مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ان میں بہت سے اصولوں کو قرآن فہمی کی لازمی شرط بتایا گیا ہے۔ مگر مطبوعہ ریکارڈ کے مطابق، ایک اہم ترین شرط اس میں شامل نہیں ہوسکی ہے۔ اور وہ خود قرآن کے بیان کے مطابق، تقویٰ ہے۔

قرآن کے آغاز ہی میں یہ آیت موجود ہے کہ قرآن اہل تقویٰ کے لیے ہدایت ہے (ھدی للمتقین)۔ اس کے بعد دوسری جگہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو، اللہ تم کو علم کی توفیق دے گا (اتقوا اللہ و یعلمکم اللہ)۔

میرے مطالعہ کے مطابق، تقویٰ کی دو قسمیں ہیں — فطری تقویٰ اور شرعی تقویٰ۔ شرعی تقویٰ کا تعلق اہل ایمان سے ہے اور فطری تقویٰ کا تعلق اہل ایمان اور غیر اہل ایمان دونوں سے ہے۔ شرعی تقویٰ وہ ہے جو خدا کی شعوری معرفت کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اور فطری تقویٰ سے مراد وہ چیز ہے جس کو عام طور پر سنجیدگی (Sincerity) کہا جاتا ہے۔ سنجیدگی بلاشبہہ کسی انسان کی سب سے بڑی متاع ہے۔ سنجیدگی سے دیانت دارانہ فکر (intellectual honesty) پیدا ہوتی ہے۔ سنجیدہ انسان اس پوزیشن میں ہوتا ہے کہ وہ آبجیکٹیو (objective) طور پر دیکھ سکے۔ سنجیدہ انسان اس کا تحمل نہیں کرسکتا کہ حقیقت سامنے آنے کے بعد وہ اس کا اعتراف نہ کرے۔ سنجیدہ انسان کے اندر تواضع (modesty) کامل طور پر موجود رہتی ہے۔ وہ کبر کی نفسیات سے پوری طرح خالی ہوتا ہے۔ سنجیدہ انسان کے اندر یہ جرأت ہوتی ہے کہ وہ کہہ سکے کہ میں غلطی پر تھا۔ حق شناسی کی لازمی شرط سنجیدگی ہے۔ جو شخص حقیقی معنوں میں سنجیدہ ہو وہ حق کو پانے میں کبھی ناکام نہیں رہتا۔

اس سلسلہ میں مجھے بار بار ذاتی تجربات پیش آئے ہیں۔ ایک دلچسپ تجربہ وہ ہے جو ۲۲ فروری ۲۰۰۴ کو دہلی میں ہوا۔ اس تاریخ کو کانسٹی ٹیوشن کلب میں ایک سیمینار تھا۔ اس میں مجھے تقریر کے لیے بلایا گیا تھا۔ وہاں دوسرے مقررین کے ساتھ مسٹر بلراج مدھوک بھی موجود تھے۔ میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ دوقومی نظریہ (two nation theory) ڈاکٹر محمد اقبال اور مسٹر محمد علی جناح کے ذہن کی پیداوار ہے۔ اس نظریہ کا کوئی تعلق قرآن یا اسلام سے نہیں۔ اس سلسلہ میں میں نے کہا کہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے پیغمبروں نے اور خود پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے جن معاصرین کو خطاب کیا، وہ بت پرست (idol-worshippers) تھے۔ دونوں کا مذہب اگرچہ الگ الگ تھا مگر دونوں کی قومیت ایک مانی گئی کیوں کہ دونوں کا وطن ایک تھا۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر پیغمبر نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یا قوم (اے میری قوم) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائی دین کے مطابق، قومیت کا تعلق مذہب سے نہیں ہوتا بلکہ وطن سے ہوتا ہے۔ یعنی جن لوگوں کا وطن (homeland) ایک ہو وہ سب ایک قوم شمار کیے جائیں گے، خواہ ان کا مذہب الگ الگ ہو۔ میرے بعد مسٹر بلراج مدھوک کی تقریر تھی۔ اُنہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ دوقومی نظریہ خود قرآن میں موجود ہے۔ جن لوگوں نے یہ نظریہ بنایا ہے انہوں نے قرآن ہی سے اس کو بنایا ہے۔ قرآن انسانوں کے درمیان تفریق سکھاتا ہے۔ مولانا صاحب قرآن کے اس چہرہ پر وہائٹ واش (white wash) کر رہے ہیں۔ مسٹر بلراج مدھوک نے یہ بات کہی مگر اُنہوں نے اپنی تائید میں قرآن کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ مسٹر بلراج مدھوک کی تقریر آخری تقریر تھی جس کے بعد اسٹیج سے کسی اور تقریر کا موقع نہ تھا۔

سیمینار کے بعد حاضرین میں سے کچھ نوجوانوں نے مسٹر بلراج مدھوک سے ملنا چاہا مگر وہ نہیں ملے کیوں کہ پروگرام کے بعد وہ وہاں سے چلے گئے تھے۔ بعد کو ان نوجوانوں نے سیمینار کے منتظمین سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کیا اور مسٹر بلراج مدھوک کا پتہ اور ٹیلی فون نمبر معلوم کرنا چاہا لیکن منتظمین نے اس معاملہ میں کچھ بتانے سے معذوری ظاہر کی۔ آخر کار ایک اور ذریعہ سے معلوم ہوا کہ مسٹر بلراج

مدھوک دہلی میں ہیں مگر وہ لوگوں سے ملاقات پسند نہیں کرتے۔

مذکورہ نوجوان مسٹر بلراج مدھوک سے مل کر صرف ایک سوال کرنا چاہتے تھے۔ وہ یہ کہ مولانا صاحب نے اپنی تقریر میں ایک واضح حوالہ دے کر کہا تھا کہ قرآن کے مطابق، قومیت کا تعلق وطن سے ہے، نہ کہ مذہب سے۔ یعنی جن لوگوں کا وطن ایک ہو ان کی قومیت بھی ایک ہوگی۔ خواہ مذہبی اعتبار سے وہ الگ الگ عقیدہ رکھتے ہوں۔ آپ نے اس کو غلط بتایا۔ لیکن آپ نے اپنے دعویٰ کے حق میں کوئی دلیل نہیں دی۔ مولانا صاحب دلیل کی زبان میں بول رہے تھے اور آپ الزام کی زبان میں۔ آپ جس بھارتیتا کے علمبردار ہیں، کیا وہ یہی ہے کہ دلیل کا جواب الزام کی زبان میں دیا جائے۔ مگر کوشش کے باوجود یہ نوجوان مسٹر بلراج مدھوک سے ملاقات نہ کر سکے۔

دلیل کا اعتراف نہ کرنے کا یہ مزاج خود مسلمانوں میں بھی بہت بڑے پیمانہ پر موجود ہے۔ میرے تجربہ کے مطابق، حق کو پانے میں یہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ دلیل کا اعتراف کرنے کا مزاج کسی آدمی میں جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی زیادہ وہ حق کو پانے میں کامیاب ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ فطری تقویٰ کی زمین میں ہر شرعی تقویٰ کا ہرا بھرا باغ اُگتا ہے۔ جہاں فطری تقویٰ نہ ہو وہاں یقینی طور پر شرعی تقویٰ بھی موجود نہ ہوگا۔

نئی دہلی ۲۸ فروری ۲۰۰۴   دعا گو   وحید الدین

ماہنامہ الرسالہ کا انگریزی ایڈیشن

ماہنامہ الرسالہ کا انگریزی ایڈیشن بمبئی سے شائع ہو رہا ہے۔ ایڈیشن کا نام دی اسپریچول میسیج (The Spiritual Message) ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

دی اسپریچول میسیج، فی کاپی -/15 روپے، سالانہ -/165 روپے۔

خط و کتابت کا پتہ ہے:

The Spiritual Message, 302, Koldongri CHS
Sahar Road, Andheri (East), Mumbai-400 099 (India)
Tel.: 2834 1654/28346079/2821 8609, Fax: 2823 6323
Email: hbshaikh@bom5.vsnl.net.in

ایک خط

برادرم مسٹر زبیر احمد اکبانی　　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ٹیلی فون کے ذریعہ معلوم ہوا کہ آپ کے چھوٹے بچہ کا انتقال ہوگیا۔ یہ آپ کے لیے یقیناً ایک سخت حادثہ ہے۔ مجھے خود بھی اس قسم کا ایک تجربہ تقریباً ساٹھ سال پہلے پیش آچکا ہے۔ اس لیے میں اس معاملہ میں آپ کے احساس کو سمجھ سکتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر کی توفیق دے اور آپ کے لیے حُسن تلافی کی صورت پیدا فرمائے۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب کسی مومن کا چھوٹا بچہ وفات پا جائے تو وہ اُس کے لیے آخرت میں فرط اور ذخر بنے گا۔ فرط کے معنٰی عربی زبان میں مقدم کے ہوتے ہیں، یعنی پیشگی بھیجا جانے والا۔ مثلاً عربی زبان میں کہا جاتا ہے فرط الیہ رسولا (کسی کو قاصد بنا کر پیشگی طور پر آگے بھیجنا) اور ذخر کے معنٰی ذخیرہ کے ہوتے ہیں۔ یعنی کسی چیز کو وقتِ ضرورت کے لیے محفوظ رکھنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے: اعمال المؤمنین ذخائر عند اللہ (مومنین کے اعمال اللہ کے یہاں ذخیرہ ہیں)۔

چھوٹے بچہ کی وفات کے بارہ میں یہ حدیث بے حد اہم ہے۔ اس حدیث کے مطابق، وفات پانے والا بچہ اپنے والدین کے لیے ایک محفوظ سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے جو گویا پیشگی طور پر آخرت کی دنیا میں بھیجا گیا ہے تاکہ وہ ضرورت کے وقت وہاں والدین کے کام آئے، وہ خدا کے یہاں اپنے والدین کے لیے ایک معصوم سفارشی بن جائے۔

مگر یہ کوئی پُراسرار معاملہ نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب کسی کا کوئی چھوٹا بچہ وفات پا جائے تو وہ اپنے آپ عالَم آخرت میں والدین کے لیے فرط اور ذخر بن جائے گا۔ یہ خوش قسمتی صرف اُن والدین کے ساتھ پیش آئے گی جو اسی اسپرٹ کے ساتھ ہونے والے واقعہ کا استقبال کریں۔ ہونے والا واقعہ اُن کے دل ودماغ میں اسی حیثیت سے ڈھل جائے۔ اس حدیث میں جو بات کہی گئی ہے وہ

اگرچہ بظاہر وفات پانے والے بچہ کی نسبت سے ہے۔ مگر اپنی حقیقت کے اعتبار سے وہ والدین کی نسبت سے ہے۔ یعنی والدین کو چاہیے کہ وہ اس حادثہ کو اسی اسپرٹ کے ساتھ لیں، وہ اُس کو کھوئی ہوئی چیز کے طور پر لینے کے بجائے ایک محفوظ سرمایہ کی حیثیت سے قبول کریں۔ وہ اس کے مطابق، خدا سے اپنے لیے دعا کریں۔

اسلام کا یہ عقیدہ ایک بندۂ خدا کے لیے عظیم نعمت ہے۔ یہ گویا ایک کھوئے ہوئے سرمایہ کو دوبارہ کیش کرنا ہے۔ یہ عارضی دنیا میں ہونے والے ایک نقصان کو مزید اضافہ کے ساتھ ابدی دنیا میں دوبارہ پالینا ہے۔

موجودہ دنیا کا نظام امتحان کی مصلحت کے تحت بنا ہے۔ اس بنا پر موجودہ دنیا میں بار بار یہ صورت پیش آتی ہے کہ آدمی کو مصیبت کا تجربہ ہوتا ہے۔ یہ تجربہ عام حالات میں ناقابلِ برداشت ہوسکتا ہے۔ مگر اسلام کے عقیدہ نے اس ناقابل برداشت کو قابلِ برداشت بنادیا ہے۔

یہ عقیدہ آدمی کو یہ بلند فکری دیتا ہے کہ وہ وقتی مسائل سے اوپر اٹھ کر سوچ سکے۔ وہ اس کو یہ ہمت دیتا ہے کہ وہ کسی نقصان کو صرف وقتی نقصان سمجھے اور اپنی نگاہ ہمیشہ آگے کی طرف لگائے رہے۔

جس آدمی کا یہ عقیدہ نہ ہو، وہ صرف اپنے حال میں جئے گا۔ مگر جو آدمی اس عقیدہ کو پاچکا ہو وہ مستقبل میں اپنے لیے جینے کا سامان پالے گا۔

نئی دہلی، ۱۸ مارچ ۲۰۰۴ — دعا گو — وحید الدین

پریس ریلیز

جناب ایڈیٹر صاحب　　　　　　　　سلام وتحیت

مولانا سید اکبرالدین قاسمی کی وفات پر اسلامی مرکز کے صدر مولانا وحید الدین خاں نے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔ مولانا اکبرالدین مرحوم کی اچانک وفات ملت کے لیے ایک صدمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا مرحوم نہ صرف دارالعلوم دیوبند کے فارغ تھے بلکہ انہوں نے عثمانیہ یونیورسٹی (حیدرآباد) سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی تھی۔ وہ حیدرآباد میں طلبہ اور طالبات کے مدرسے کامیابی کے ساتھ چلا رہے تھے۔ خدا ان کے لگائے ہوئے اس تعلیمی باغ کو مزید ترقی کے ساتھ جاری رکھے۔

مولانا اکبرالدین مرحوم منفرد خصوصیات کے حامل تھے۔ وہ تحریر وتقریر دونوں کی اعلیٰ صلاحیت رکھتے تھے۔ وہ اخلاقی اعتبار سے ایک قابل تقلید شخصیت تھے۔ اپنے مخصوص مزاج کی بنا پر وہ ہر حلقہ میں یکساں طور پر مقبول تھے۔ وہ اس نادر صفت کی ایک مثال تھے کہ کس طرح مختلف ذوق اور مختلف فکر کے لوگوں سے یکساں طور پر اچھے تعلقات قائم کیے جاسکتے ہیں۔ ہر معاملہ میں ان کی اپنی ایک رائے ہوتی تھی مگر اسی کے ساتھ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ دوسروں کی رائے کا کس طرح لحاظ رکھا جائے۔ مولانا مرحوم نے اپنے تعلیمی اداروں کے ساتھ ایک ماہنامہ ''ردائے حرم'' کے نام سے جاری کیا تھا۔ اس ماہنامہ کا خاص مقصد یہ تھا کہ لڑکیوں اور عورتوں میں اسلامی تعلیم کو فروغ دیا جائے۔ یہ ماہنامہ مضبوط بنیادوں پر قائم ہو چکا ہے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ وہ اپنی پوری افادیت کے ساتھ بدستور جاری رہے گا۔

مولانا مرحوم اپنے قائم کردہ تعلیمی اداروں کی ذمہ داری نباہنے کے ساتھ متعدد دوسرے ملی اداروں سے بھی وابستہ تھے۔ وہ اپنی متنوع خدمات کے ساتھ ایک جامع صفات آدمی تھے۔ خدا سے دعا ہے کہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کی حسن تلافی کا انتظام فرمائے۔

۴ فروری ۲۰۰۴　　　　　　شعبۂ نشرواشاعت، اسلامی مرکز، نئی دہلی

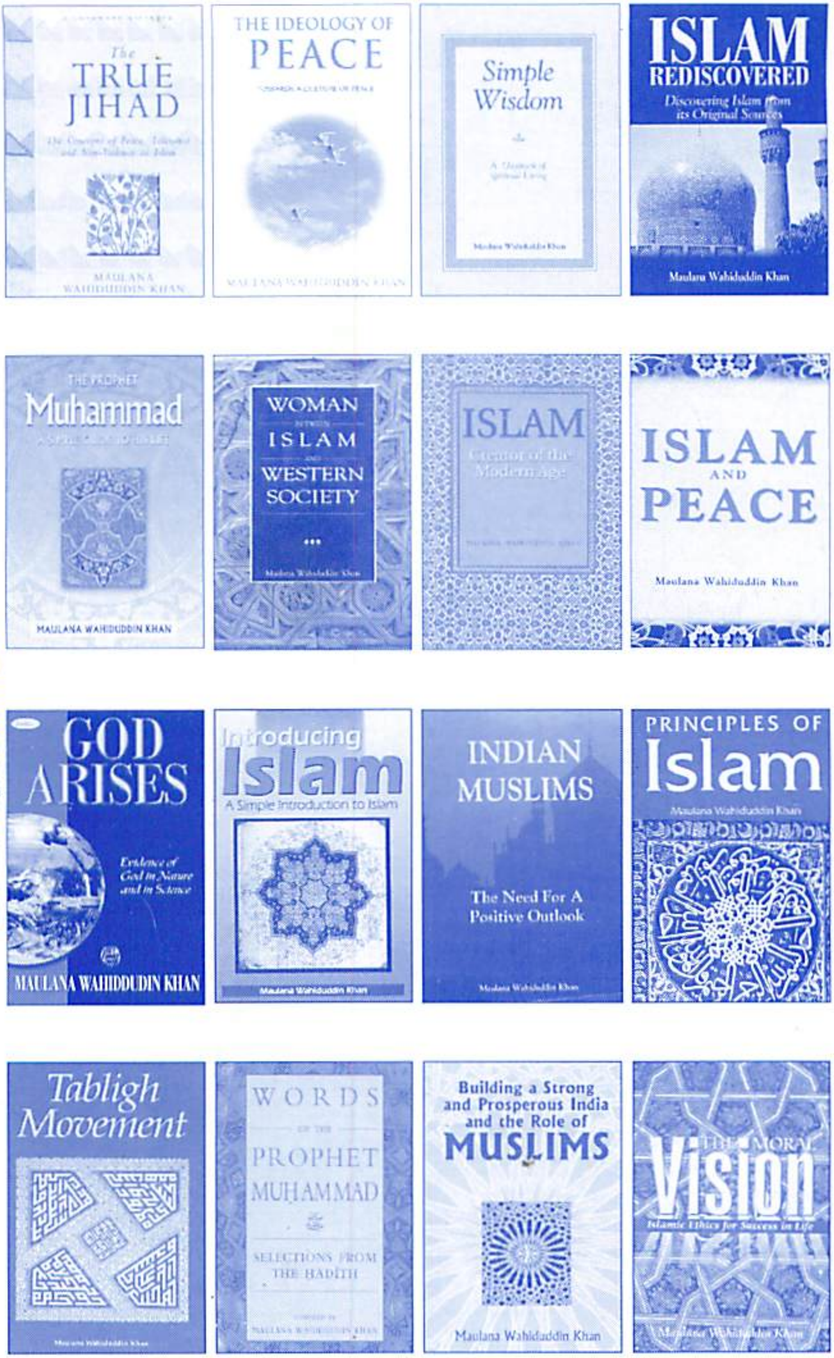
Goodword Books Pvt. Ltd.

1, Nizamuddin West Market, New Delhi 110 013

Tel. (9111) 2435 6666, 2435 5454 Fax: (9111) 2435 7333 e-mail: info@goodwordbooks.com

ORDER FORM (URDU BOOKS)

QUANTITY	PRICE	TITLES	QUANTITY	PRICE	TITLES	QUANTITY	PRICE	TITLES
	60.00	مضامین اسلام		12.00	مطالعہ سیرت (کتابچہ)		400.00	تذکیر القرآن (مکمل، مجلد)
	10.00	باغ جنت		80.00	ڈائری (جلد اول)		250.00	تذکیر القرآن (پیپر بیک)
	10.00	نار جہنم		65.00	کتاب زندگی		85.00	اسباق تاریخ
	10.00	سچا راستہ		25.00	اقوال حکمت		60.00	تعمیر حیات
	10.00	دینی تعلیم		10.00	تعمیر کی طرف		50.00	تعمیر انسانیت
	10.00	خلیج ڈائری		20.00	تبلیغی تحریک		125.00	سفرنامہ غیرملکی اسفار جلد اول
	10.00	رہنمائے حیات		25.00	تجدید دین		125.00	سفرنامہ غیرملکی اسفار، جلد دوم
	10.00	تعدد ازدواج		35.00	عقلیات اسلام		80.00	اسلام: ایک تعارف
	60.00	ہندستانی مسلمان		25.00	قرآن کا مطلوب انسان		60.00	اللہ اکبر
	10.00	روشن مستقبل		10.00	دین کیا ہے؟		50.00	پیغمبر انقلاب
	10.00	صوم رمضان		20.00	اسلام دین فطرت		65.00	مذہب اور جدید چیلنج
	8.00	اسلام کا تعارف		10.00	تعمیر ملت		35.00	عظمت قرآن
	20.00	علما اور دور جدید		10.00	تاریخ کا سبق		60.00	عظمت اسلام
	60.00	سفرنامہ اسپین و فلسطین		8.00	فسادات کا مسئلہ		10.00	عظمت صحابہ
	12.00	مارکسزم: تاریخ جس کو رد کر چکی ہے		8.00	انسان اپنے آپ کو پہچان		80.00	دین کامل
	10.00	سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ		8.00	تعارف اسلام		45.00	الاسلام
	10.00	یکساں سول کوڈ		8.00	اسلام پندرہویں صدی میں		50.00	ظہور اسلام
	10.00	اسلام کیا ہے؟		12.00	راہیں بند نہیں		40.00	اسلامی زندگی
	40.00	میوات کا سفر		10.00	ایمانی طاقت		35.00	احیاء اسلام
	35.00	قیادت نامہ		10.00	اتحاد ملت		65.00	راز حیات
	8.00	منزل کی طرف		20.00	سبق آموز واقعات		40.00	صراط مستقیم
	125.00	اسفار ہند		10.00	زلزلۂ قیامت		60.00	خاتون اسلام
	100.00	ڈائری ۹۰-۱۹۸۹		12.00	حقیقت کی تلاش		50.00	سوشلزم اور اسلام
	70.00	قال اللہ و قال الرسول		8.00	پیغمبر اسلام		30.00	اسلام اور عصر حاضر
	90.00	ڈائری ۹۲-۱۹۹۱		10.00	آخری سفر		40.00	الربانیہ
	80.00	مطالعۂ قرآن		10.00	اسلامی دعوت		45.00	کاروان ملت
	40.00	مذہب اور سائنس		20.00	حل یہاں ہے		30.00	حقیقت حج
	100.00	دین و شریعت		25.00	امہات المومنین		35.00	اسلامی تعلیمات
	60.00	مطالعۂ سیرت		85.00	تصویر ملت		25.00	اسلام دور جدید کا خالق
	10.00	خدا اور انسان		50.00	دعوت اسلام		40.00	حدیث رسول
	8.00	ہندستان آزادی کے بعد		40.00	دعوت حق		35.00	راہ عمل
	100.00	مسائل اجتہاد		80.00	نشری تقریریں		80.00	تعبیر کی غلطی
	120.00	مطالعۂ حدیث		60.00	دین انسانیت		25.00	دین کی سیاسی تعبیر
				50.00	فکر اسلامی		10.00	عظمت مومن
				50.00	شتم رسول کا مسئلہ		8.00	اسلام: ایک عظیم جدوجہد
				8.00	طلاق اسلام میں		8.00	تاریخ دعوت حق



RNI 28822/76 • U(SE) 12/2004
Delhi Postal Regd. No. DL/11154/2004